اگست 88ء

قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

المجاهد من جاهد نفسه (الحدیث) مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ

المرشد

چکوال

بیاد

شیخ العرب والعجم صدیقِ دوراں مجددِ طریقت مجتہد فی التصوف بحرِ علومِ شریعت قلزمِ فیوض و برکات

امامِ اولیا، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام اللہ یار خان علیہ الرحمۃ

مقام اشاعت

دارالعرفان ۰ منارہ ۰ ضلع چکوال

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سرپرست
حضرت مولانا محمد اکرم اعوان
مدظلہ العالی

جلد: ۹
ذوالحج
محرم الحرام
۱۴۰۸ھ

ماہنامہ المرشد

شمارہ: ۱۱
اگست
۱۹۸۸ء

دار العرفان
منارہ
ضلع چکوال

مدیر مسئول
پروفیسر حافظ عبد الرزاق
ایم اے (اسلامیات)، ایم اے (عربی)

مدیر
تاج رحیم

بدل اشتراک

فی پرچہ	۱۰ روپے
چندہ سالانہ	۱۰۰ روپے
ششماہی	۵۵ روپے
تاحیات	۷۰۰ روپے
سری لنکا، بھارت، بنگلہ دیش	۲۰۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور مشرق وسطیٰ کے ممالک	۵۰ سعودی ریال
تاحیات	۳۰۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپی ممالک	۱۰ سٹرلنگ پونڈ
تاحیات	۵۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ اور کینیڈا	۲۰ امریکن ڈالر
تاحیات	۱۰۰ امریکن ڈالر

اِس شمارے میں

اداریہ ۲
سنو اے فساد پھیلانے والو ۳
محرم الحرام ۱۱
برطانوی مسلمان اور ان کا مستقبل ۱۲
حلیہ مبارک ۱۵
شہنشاہوں اور فاتحین کی جولانگاہیں ۲۰
بیسویں صدی کا معجزہ ۲۵
حرام مگر "نو حام" ۲۹
ٹی وی کا مسئلہ ۳۰
لطیفۂ روح ۳۳
تقویٰ ۳۸
کیوں؟ ۴۰
کچھ علاج اس کا ۴۲
آپ نے پوچھا ۴۷

سول ایجنٹ:
اویسیہ کتب خانہ
الوہاب مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

طابع و ناشر: حافظ عبد الرزاق ○ مطبوعہ: شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور ○ مقامِ اشاعت: دار العرفان منارہ، ضلع چکوال

اداریہ

انگریز کے دور حکومت سے لیکر آج تک مغربی تہذیب کے خلاف کچھ کہنے میں کوئی ایک دوسرے سے پیچھے نہیں ہے۔ لیکن وہ تہذیب ایک محدود طبقے میں، محدود پیمانے سے آگے اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکی۔ البتہ گزشتہ پندرہ بیس سال کے مختصر عرصہ میں ہندو تہذیب، اس کے رسم و رواج، لباس، فیشن، روزمرہ زندگی کے طور طریقے، حتیٰ کہ انہی کا ناچ گانا اور بجانا عین عبادت بن کر کینسر کی طرح پاکستانی مسلمان کے وجود میں جڑیں پھیلا چکا ہے۔ ہماری شکل و صورت، ہمارے شادی بیاہ اور جہیز کے رسومات، ہمارے تہوار، یہاں تک کہ ہماری روزمرہ زندگی نے ہندو تہذیب کو کچھ اس طرح اپنے اندر سمو لیا ہے جیسے وہ پاکستان کے مسلمان کی تہذیب ہی نہیں بلکہ ایمان بھی ہو۔

ہمارے علماء ٹیلیویژن اور وڈیو کے شرعی اور غیر شرعی مسائل میں الجھنے کے ساتھ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگانے میں مصروف رہے۔ اودھر کفر نے مسلمان کو کفر کی رنگینیوں کا دلدادہ دیکھ کر ٹیلیویژن اور وڈیو کو اپنے مقاصد کے لیے کچھ ایسے موثر طریقے سے استعمال کیا کہ جو کام وہ ہزار سال میں نہ کر سکے، ان چند سالوں میں کر دکھایا۔ ہمارے سیاسی، ملکی اور دینی رہنما، اقتدار، ہوس دولت اور آمدن بڑھانے کے لیے آپس کے جھگڑوں سے فارغ نہیں۔ وہ اس رنگین زہریلی تحریک کو نہ محسوس کر سکتے ہیں، نہ دیکھ پاتے ہیں اور نہ ہی اس کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت کر سکتے ہیں۔ دینی یا غیر دینی رسائل، اخبار اور دوسرے ذرائع ابلاغ سے کیا شکایت۔ کسی مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے، کسی مولوی صاحب کو اس کے خلاف کہتے نہیں سنا۔ وہ اس لیے کہ ہندومت پاکستان کے مسلمانوں کی اکثریت کا رہن سہن بن چکا ہے۔ ان کی زندگی ہندو تہذیب میں ڈھل چکی ہے۔

چند دن بیشتر لاہور کے ایک مسلمان گھرانے میں نکاح کی رسم عین بت پرستی کے طریقے پر ادا ہوئی۔ دلہا وطن سے باہر تھا۔ اس لیے نکاح کے لیے اس کی تصویر کو سجایا گیا، ہار پہنائے گئے، مہندی لگائی گئی اور تصویر کو دلہا بنا کر نکاح کی رسم ادا کی گئی۔ دلہا کے بھائی نے دبی زبان میں ناپسندیدگی کا اظہار تو کیا لیکن کفر کے سامنے اظہار ناپسندیدگی کی کیا حقیقت! اسی شہر لاہور میں مساجد کی تعداد اگر لاکھوں نہیں تو کئی ہزار ضرور ہے۔ پانچ وقت اذان کی گونج ہر طرف سے یوں اٹھتی ہے کہ دو افراد میں معمول کی گفتگو ناقابل فہم ہو جاتی ہے۔ ان ہزارہا مساجد کے لاکھوں لاؤڈ سپیکروں پر فجر کے وقت طویل درس، جمعہ کے خطبے، رات رات بھر کی تقاریر اور پھر لاتعداد مذہبی رسالے، کتابیں، ٹیپ، وڈیو کیسٹ، ریڈیو اور ٹیلیویژن پہ دن رات علماء کے درس و تقاریر .... آخر یہ سب کچھ اس قدر بے اثر کیوں ہے؟ اسلام نے جس کفر کو خاتمہ کیا تھا، مسلمان آج اسی کفر، انہی بتوں کی قربان گاہ پہ چڑھاوا کیسے بن گیا ہے؟ کفر کے خلاف بدر کی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صرف تین سو تیرہ مجاہد تھے، مگر فتح اسلام کی ہوئی۔ اسلام پھیلا اور دنیا پر چھا گیا اور آج دین کی تبلیغ کے لیے اسقدر افرادی قوت، بیش بہا مالی وسائل، اربوں روپے کا دینی لٹریچر اور ہر قسم کے ذرائع ابلاغ کے باوجود پاکستان کا مسلمان اپنی زندگی کو کفر اور بت پرستی کے سانچے میں ڈھالتا چلا جا رہا ہے، آخر کیوں؟ کفر کی اس پھیلتی وبا کو روکنے کے لیے کوئی معالج نہیں؟ لیکن معالج تو خود پنڈت اور مہاراشیوں کے طور طریقے اپنا چکے ہیں۔

ہمارے لیے اپنی انفرادی زندگی کے محاسبے کا راستہ اب بھی کھلا ہے۔ اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھیے اور وہاں جو ہندو اپنی تہذیب اپنے رسم و رواج لیکر بیٹھا ہے اس کی گدی پکڑ کر، نوچ کر اپنے دل سے باہر پھینکیے۔ اللہ اللہ کرنے والے اس دنیا میں اب موجود ہیں۔ ان اہل اللہ کو پہچانیے، ان کی صحبت میں بیٹھنے کی کوشش کیجیے، اللہ کی راہ پر چلنے والوں کے ساتھ چلیے۔ سکون قلب صرف اللہ کے ذکر میں ہی ملے گا۔ ذرا اس دل میں اللہ کی محبت کو بسائیے۔ پھر دیکھیے اللہ آپ سے کتنی محبت کرتا ہے۔

تاج رحیم

اسرار التنزیل

مولانا محمد اکرم

سنو! اے فساد پھیلانے والو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ - - -

- - - اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ -

سورہ اعراف میں اٹھارویں پارے کی اس ایت مبارکہ میں رب جلیل نے حکم دیا ہے لیکن اس کا انداز ایسا ہے جیسے کوئی بڑا ہی شفیق، بڑا ہی پیار کرنے والا، بڑا ہی محبتیں بانٹنے والا بزرگ اپنے کسی بہت ہی پیارے عزیز کو مشورہ دیتا ہے اس کی بہتری کے لیے اس کی بھلائی کے لیے۔ فرمایا تمہیں بڑے مزے کی بات بتاؤں؟

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ اپنے پروردگار کو پکارتے رہو اور اس انداز میں پکارا کرو تَضَرُّعًا۔ نہایت عاجزی کے ساتھ وَّخُفْيَةً اور لوگوں سے چھپا کر۔ فرمایا کرنے کا کام یہ ہے کہ تم مجھ سے مانگتے رہو کسی سے ایک بار مانگو دو بار مانگو دس بار مانگو تو وہ جھڑک دے گا۔ رب کریم فرماتے ہیں تم مانگتے ہی رہو مگر اپنی حیثیت یاد رکھو۔ مانگنے والے کو اکڑ کر نہیں مانگنا چاہئے۔ مانگنے کے لیے تو عجز و نیازمندی شرط ہے۔ عاجزی سے مانگو لیکن اپنی رسوائی مت ہونے دو صرف مجھ تک محدود رہو۔ میں تمہارا پردہ کسی کے سامنے نہیں کھولوں گا۔ دوسروں کو مت بتاؤ تمہارا کیا رشتہ ہے؟ کیا تعلق ہے؟ اپنا رشتہ ہاتھ سے مت جانے دو فرمایا: تجھے ایک بات بتا دوں۔ تمہارا پروردگار تمہارا رب خوب ہے لا یحب المعتدین۔ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ تم اسے پکارنے میں زیادتی کرو۔ وہ اسے پسند نہیں فرمائے گا۔ بھلا یہ پکارنے میں زیادتی کیا ہو گی مثلاً آجکل رواج ہے ہم آدھی رات کو اٹھتے ہیں لاؤڈ سپیکر آن کرکے سارے محلے میں شور مچاتے ہیں یہ کیا ہے؟ اللہ کو بلاتے ہیں یہ زیادتی ہے

اس مخلوق کے ساتھ جو تھک ہار کر شاید ابھی سوئی ہو، یہ زیادتی ہے ان بیماروں کے ساتھ جنہیں شاید اب تک نیند نہ آئی ہو اور ابھی آنکھ لگی ہو۔ کتنے ایسے لوگ ہوں گے جنہیں کوئی لمحہ سکون نصیب ہو گا لیکن ہماری چیخ و پکار ان سے وہ بھی چھین لیتی ہے نفلی عبادت کا قانون یہ ہے کہ نفلی عبادت کرنے والا کسی دوسرے کو ڈسٹرب کرنے کا حق نہیں رکھتا، دوسرے کو پریشان کرنے کی اجازت نہیں، بلکہ سیرت میں ثابت ہے۔

حضور فرماتے ہیں اگر تم سارا سال ہی روزہ رکھنے کے عادی ہو اور کسی کے گھر مہمان ٹھہرنا پڑے، میزبان نفلی روزے نہیں رکھ رہے تو ان سے سحری کے لیے مت کہو۔ بہتر ہے روزہ مت رکھو۔ تہجد پڑھنے کے لیے اٹھتے ہو کوئی دوسرا شخص اس کمرے میں سو رہا ہے وہ تہجد نہیں پڑھنا چاہتا۔ اگر تمہارے اٹھنے سے اس کی نیند خراب ہو گی تو اپنا تہجد چھوڑ دو۔ فرض کا وقت ہو جائے تو اسے بھی اٹھا دو کہ اٹھو بھئی فرض کا وقت ہو گیا۔ ہے اٹھو نماز پڑھو۔ لیکن نوافل آپ نے اپنے لیے پڑھتے ہیں اس کے لیے نہیں کسی کی نیند خراب کرنے کے مجاز نہیں ہیں آپ۔ بلکہ اس حد تک فرماتے ہیں حضورؐ، تم نے نفلی روزہ رکھا ہوا ہے اور کوئی مہمان آ گیا ہے اس پر ظاہر ہی مت ہونے دو کہ تمہارا روزہ ہے۔ دوپہر کو اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لو۔ روزے کی قضا کر لینا لیکن اس کی دلشکنی مت کرو۔ اگر مہمان آ جائے اور آپ اسے کہہ دیں کہ جی میرا تو روزہ ہے تو وہ غریب بھی بھوکا ہی رہے گا کھائے گا بھی تو کیا خاک کھائے گا شرمندہ ہو کر ہی کھائے گا تو حضور فرماتے ہیں تم اس پر ظاہر ہی مت کرو تم اپنا نفلی روزہ توڑ دو اسے پھر قضا کر لو۔

تو اللہ کریم فرماتے ہیں مجھے پکارو ہر لمحہ، ہر آن، ہر جگہ انکو ہر وقت مانگو اور جتنا زیادہ مانگو گے اتنا ہی زیادہ تجھے

پسند ہے لیکن یہ تعلق تمہارا اور میرا ہے۔ البتہ اس میں عاجزی ہو یہ عاجزی تو نہیں کہ ہم چاہیں کہ ساری دنیا میں یہ اشتہار ہو جائے کہ فلاں شخص آدھی رات کو اٹھ کر اللہ اللہ کرتا ہے۔

پھر فرمایا: خُفْیَۃً: میاں! چھپ کر پکارو۔ لوگوں کو کیا ستاتے ہو۔ مجھے منانا ہو اور اگر اس پکارنے میں بھی تم زیادتی کرنے لگے تو میرا یہ قانون ہے کہ میں زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ کوئی بھی شخص عبادت کے نام پر اسلام کے نام پر، مذہب کے نام پر کسی تقدیس اور تقدس کے نام پر زیادتی کرنے کا مجاز نہیں ہے

فرمایا: وَلَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ۔ اور مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ زمین پر فساد پھیلائے۔ اللہ کا حکم کیا ہے؟ اسلام ہمیں تعلیم کیا دیتا ہے اور ہم کرتے کیا ہیں۔ جب اسلام کا ظہور ہوا تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے زمین پر مبعوث ہو کر پوری دنیا کو امن کی بشارت دی۔ یہ بات یاد رہے ایمان تو صرف مومن کو نصیب ہوا۔ آخرت تو صرف مومن کو نصیب ہوئی۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل کافر کو بھی امن نصیب ہوا۔ آپ کی بعثت کے بعد ہی کسی کافر کو دنیا میں سکون کا سانس نصیب ہوا۔ اسلامی سلطنت کی حدود ربع صدی میں معلوم دنیا کے تین چوتھائی حصے تک پھیل گئیں۔ فاتح لشکر جن شہروں میں جاتے تھے شہر آباد ہو جاتے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ فاتحین جب شہروں میں داخل ہوتے ہیں تو شہر تباہ ہو جاتے ہیں یہ صرف مسلمان افواج تھیں کہ وہ جس قطعہ زمین پر جس شہر میں جس آبادی میں جاتی تھیں وہاں امن قائم ہو جاتا تھا۔ ظلم اُٹھ جاتا تھا اور لطف کی بات یہ ہے کہ کافروں کو بھی امن نصیب ہوتا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے کی بات ہے عرب کے ساتھ لڑائی میں مسلمانوں کو عیسائیوں نے محاصرے میں لے لیا صورت حال ایسی بن گئی کہ راشن اور رسد ختم ہونے کو آیا تو فوجی کمانڈروں کا اجلاس ہوا۔ اور فیصلہ یہ ہوا کہ غیر مسلم رعایا کے پاس کھانے پینے کا وافر سامان موجود ہے اُن سے فوج کے لیے راشن لیا جائے۔ جب قاضی صاحب کے پاس بات پہنچی تو انہوں نے کہا تم ان سے جزیہ لے چکے ہو اور جن سے مسلمان جزیہ لیتا ہے اُسے امان دیتا ہے سو کافر کا مال تم شرعاً لینے کے مجاز نہیں ہو۔ تم نہیں لے سکتے۔ راشن شہر میں موجود ہے مگر کافروں کے پاس ہے۔ مسلمانوں کو شکست ہوتی ہے لیکن اُن سے راشن

> بغیر اللہ اللہ کرائے کوئی اصلاح نظر ہی نہیں آتی اصلاح ہو جائے تو لازمی درست ہو گئے۔ کچھ خلط سے محبت ہو جاتی ہے۔ کچھ دین کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے سنت کے ساتھ کچھ محبت ہو جاتی ہے۔
>
> حضرت مولانا اللہ یار خان رح

نہیں لیتے۔ فرمایا، فتح اور شکست اللہ کے ہاتھ میں ہے تم یہ لینے کے مجاز نہیں ہو۔ کیونکہ ان سے جزیہ لے چکے ہو۔ چونکہ بغیر راشن کے نہیں لڑا جا سکتا پھر اجلاس ہوا فیصلہ یہ ہوا کہ شہر کا ایک دروازہ کھول کر اور لڑ بھڑ کر اپنی فوج کو لے کر نکل جائیں۔ شہر کافروں کے لیے خالی کر دیں۔ یہ جائیں وہ جائیں حملہ کر کے پھر فتح کر لیں گے تو قاضی صاحب نے روک دیا۔ ٹھہرو! شہر خالی کرنا ہے تو پہلے جو جزیہ اُن سے لیا ہے وہ لوٹا دو ان کی حفاظت کے لیے جو ٹیکس لیا تھا اگر انہیں چھوڑ کر جا رہے ہو تو تمہیں وہ ٹیکس ساتھ لے جانے کا حق نہیں۔

ہمارا حال کیا ہے؟ ہم کہاں ہیں کہ اَیْنَمَا یُوَجِّهْهُ لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ۔ آپ کسی طرف منہ کریں۔ خیر کی کوئی خبر نہیں ملتی۔ دھماکے ہو رہے ہیں بے گناہ لوگوں کے پرخچے اُڑ رہے ہیں۔ بسیں جلائی جا رہی ہیں، لاریاں، گاڑیاں توڑی جا رہی ہیں جہاز اغوا ہو رہے ہیں راستہ چلتے ہوئے آدمی کو قتل کر دیا جاتا ہے ایکسیڈنٹ ہو گیا، ڈرائیور نے ایک لڑکا نیچے دے دیا سینکڑوں دکانیں لوٹ لیں۔ یہ لوٹنے والے کون ہیں؟ مسلمان! اور جس کو لوٹتے ہیں وہ کون؟ مسلمان! جس کی گاڑی جلتی ہے وہ کون؟ مسلمان! اور جس پر گولی چلتی ہے وہ کون ہے؟ مسلمان! جس نے چلائی وہ کون ہے؟ مسلمان! یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ قرآن حکیم مسلمان کا جو حلیہ بتاتا ہے وہ کیا ہے؟ وہ کون سی قوم تھی جس کے زیر سایہ کفار کو بھی امن نصیب ہوتا تھا؟ اور ہم کیا ہیں؟ جن سے نہ مسلمانوں کی عزت محفوظ ہے نہ جان محفوظ ہے، نہ مال محفوظ ہے۔

محرم آتا ہے۔ طوفان کھڑا ہو جاتا ہے، مارو، پکڑو، لو، اڑا دو، گولی چلے گی، پولیس آ جاتی ہے فوج آ جاتی ہے کیونکہ

کیا وہی لوگ اُسی شہر میں نہیں رہتے ؟ وہی گھوڑے اُسی گلیوں سے نہیں گزرتے ؟ ایک دن کے لیے پوری قوم مرنے مارنے پر تیار ہو جاتی ہے۔ دوسرے دن کچھ نہیں ہوتا کیوں ؟ اسلام زبردستی کا مذہب نہیں ہے اگر کوئی ظلم کرتا ہے تو اُس ظلم کی جوابدہ وہ حکومت ہے جو ملک پر حکمران ہے۔ میرا آپ کا فرض اتنا ہے کہ اُن تک کسی مظلوم کی داستان پہنچا دیں۔ اگر وہ فریاد رسی نہیں کرتے تو ساری قوم کا فریاد رس موجود ہے۔ ہمیں یہ حق حاصل نہیں کہ کسی نے قتل کیا ہے تو مَیں اور آپ اُس کو پکڑ کر قتل کر دیں یہ شرعاً جائز نہیں ہے ہاں ہم شہادت دینے کے مکلف ہیں کہ ہم سرِ عام یہ بات کہیں کہ ہمارے علم میں ہے اس آدمی نے یہ زیادتی کی ہے۔

ہم راتوں کو شور کرتے ہیں یہ درست نہیں اس لیے نہیں کہ مَیں اسے درست نہیں سمجھتا بلکہ مجھے یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ جو شور کر رہا ہے میں اُسے جا کر گالیاں دوں، پتھر برساؤں یا تھپڑ ماروں۔ نہیں پہلے ہی ایک شور کر رہا ہے مَیں منع کرنے چلا جاؤں تو کیا وہ شور کم ہو جائے گا یا زیادہ ہو جائے گا؟ ظلم سے ظلم ختم نہیں ہوتا۔ فساد سے فساد تھمتا تو نہیں۔ مَیں اگر اسے مناسب نہیں سمجھتا تو مَیں نے کبھی گلی گلی پھر کر بات نہیں کی۔ قرآنِ حکیم نے ایک انداز بتایا مَیں نے عرض کر دیا۔ قرآن کہتا ہے "رب کے ساتھ اپنا تعلق ذاتی رکھو شہر کو مت سناؤ" لیکن اگر کوئی نہیں مانتا تو مجھے شرعاً یہ اجازت نہیں ہے کہ مَیں جلوس نکال کر سڑکوں پر آجاؤں، دکانیں جلا دوں، گاڑیاں توڑ دوں، کیوں؟ ایک آدمی رات بھر بلند آواز سے درود پڑھتا ہے میں نے مسئلہ بیان کر دیا کہ اللہ کو سکون سے، آرام سے اور خفیہ طریقہ کو پسند ہے مگر مجھے یہ حق حاصل نہیں کہ مَیں اسے تھپڑ ماروں۔ اُسے یہ حق حاصل ہے۔ اُس کا بھی رب کے ساتھ تعلق ہے۔ بلند آواز سے پڑھ لے آخر درود ہی پڑھتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرق کیا پڑا۔

ہم تقلید کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں پورا مکتب فکر ہے جو اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہتا ہے وہ حضرات آئمہ فقہ کی تقلید نہیں کرتے۔ یہ کہنا تو درست نہیں ہے کہ وہ سرے سے تقلید نہیں کرتے تقلید کا معنی ہے کسی سے پتہ پوچھنا اور اس کے پیچھے چلنا سارے لوگ عالم نہیں ہوتے۔ نہ سارے لوگ اس پائے کے

فرمایا ہمیں مخالفت کا کوئی ڈر نہیں کیونکہ ہم نے کسی سے ووٹ نہیں مانگنے۔ اُن لوگوں نے مسجد کو منڈی سمجھ رکھا ہے ہم منبر و محراب کو معاش کا ذریعہ نہیں بنایا ہوا۔ علامہ شعرانی رح لکھتے ہیں کہ وہ تو میراثی سے بھی بدتر ہیں جو دین کو بیچ کر روٹی کھاتے ہیں۔ میراثی تو ڈھول اور شہنائی بجا کر کھاتے ہیں۔

حضرت مولانا اللہ یار خان رح

ہوتے ہیں کہ وہ کسی سے نہ پوچھیں کسی نہ کسی سے وہ بھی مسئلہ پوچھتے ہیں۔ لیکن جو عالم قریب ہوا اُسی سے پوچھ لیتے ہیں۔ اور ہمارا قاعدہ ہے کہ فقہی مسائل اُن آئمہ سے پوچھیں گے جن پر اکثریت کا اتفاق امت ہے اگر ہمیں ائمہ سے پوچھنے کا حق حاصل ہے تو انہیں بھی کسی دوسرے سے پوچھنے کا حق حاصل ہے اس میں لڑنے کی کیا بات ہے اگر مجھے اور آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ ہم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کریں اور دوسرا امام مالک کی تقلید کرتا ہے تو اس سے لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ تیسرا امام کی تقلید ہی نہیں کرتا وہ کہتا ہے کہ میں خود ہی قرآن سمجھوں گا، خود حضور کی حدیث سے سمجھوں گا تو آپ کو اور مجھے لاٹھی لے کر اُس کے پیچھے دوڑنے کی کیا ضرورت ہے وہ قرآن ہی سے سمجھ رہا ہے، حدیث ہی سے سمجھ رہا ہے ہم آہستہ سے آمین کہتے ہیں وہ بلند آواز سے کہتے ہیں۔ تو کونسا آسمان گر پڑتا ہے۔ بلند آواز سے کہنا سنت سے ثابت ہے آہستہ آواز سے کہنا سنت سے ثابت ہے۔ ہم اس لیے آہستہ کہتے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ بلند آواز کی نسبت آہستہ زیادہ پسند ہے اور وہ بلند آواز سے اس لیے کہتے ہیں کہ اُن کے نزدیک بلند آواز زیادہ پسندیدہ ہے اس میں لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ پہلے مقلد اور غیر مقلدین کا اختلاف تھا۔ پھر دیوبند اور بریلی کا اختلاف آیا۔ اب بریلویوں کی ہر مسجد کا مذہب الگ ہے اور دیوبندیوں کی ہر مسجد کا قبلہ جدا ہے نوبت اس بات تک پہنچی ہے کہ جو اس مسجد میں نماز پڑھ رہا ہے اُسے تو میں جنت کی بشارت دیتا ہوں۔ اور جو شخص ساتھ والی مسجد میں نماز پڑھ رہا ہے اُسے مسلمان ہی نہیں سمجھتا۔ ہر مسجد کا مذہب

الگ ہے دیوبندی بریلوی سے بات آگے چلی گئی ہے۔ ظلم کی حد یہ ہے کہ ایک ایک مسجد میں بیٹھا ہوا شخص دوسری مسجد میں سجدہ دینے والے کو کافر کہتا ہے۔ اور کہتا ہے "اِسے مارو! اِسے اُڑا دو! آگ لگا دو۔" قرآن حکیم یہ مشورہ نہیں دیتا قرآن حکیم فرماتا ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔ اسے میں نے بڑا سنوارا ہے اِس پر خرابی مت پیدا کرو۔ ایک شخص کا عقیدہ باطل ہے میں اور آپ اُس سے اُس کا باطل عقیدہ چھین سکتے ہیں؟ جس طرح ہم اس کو باطل سمجھتے ہیں اُسی طرح وہ ہمیں باطل سمجھ رہا ہے معاملہ تو رب العالمین کے پاس ہے اگر ہمارے پاس حق ہے تو ہمارا طرزِ عمل، ہمارا طرزِ تخاطب، ہمارا لین دین، ہمارا کاروبار اُس شخص کو گرویدہ کرے گا۔ لیکن اگر ہمارا دعویٰ ایمان کا اور کرتوت کافروں سے بھی گئے گذرے ہونگے تو اُس ایمان کو کون قبول کرے گا۔ اگر ہیں حق پر ہوں، آپ حق پر ہیں تو اس حق پر ہم خلوصِ دل سے عمل کریں اور دوسروں کو زندہ رہنے کا موقع دیں۔ دنیا میں بدترین قوم یہودیوں کی ہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے بھی مل جل کر رہنے کا معاہدہ فرمایا تھا کہ تم فساد نہ کرو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے یہودی رہو۔ ریاست کے امن میں خلل مت ڈالو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔

اسلام نے اُن لوگوں کو بڑی عجیب سزا دی ہے۔ جو میدان جہاد میں مقابلہ کرتے ہوئے گرفتار ہو جاتے ہیں دنیا کی ساری قومیں انہیں ایذا دے دے کر مارتی ہیں، زبانیں کاٹ دی جاتی ہیں آنکھیں نکال دی جاتی ہیں، الٹا لٹکایا جاتا ہے ناخن کھینچ لیے جاتے ہیں۔ تشدد کیا جاتا ہے اُن پر۔ ابھی تک لوگوں کو نازی جنگی کیمپوں کی یاد نہیں بھولی ہوگی۔ اور جاپانیوں کے پاس جو لوگ قید گزار کر آئے ہیں انہیں وہ تشدد نہیں بھولے ہوں گے اسلام نے جنگی قیدی سے اُس کی آزادی چھین لی ہے۔ جب اُسے میدان میں شکست ہوتی ہے اور وہ گرفتار ہو کر آتا ہے تو اسلام نے سب سے بڑی سزا جو اُسے دی ہے کہ اب وہ آزاد انسان کی حیثیت سے نہیں رہے گا۔ بلکہ فاتح لشکر کا غلام ہوگا۔ اور امیر لشکر جسے تقسیم کر دے اُس کے حصے میں آئے گا۔ لیکن یہ غلامی کیسی ہوگی؟ مالک اُس کے مذہب میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ اگر وہ پتھر کی پوجا کرتا ہے آگ کی پوجا کرتا ہے۔ کسی جانور کی پوجا کرتا ہے تو مسلمان اپنے غلام کو اُس پرستش سے روکنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔

حضورؐ فرماتے ہیں اُس غلام کو وہ کام کرنے کا حکم نہیں دے سکتے جو کام کرنے کی اُس میں ہمت اور طاقت نہیں ہے جیسا کھانا خود کھاتے ہو ویسا ہی کھانا اُس غلام کو کھلاؤ گے جیسا تمہارا لباس ہوگا ویسا تمہارے غلام کا بھی ہوگا۔ نہ تم اُس سے مذہب چھڑا سکتے ہو نہ تم اُسے ایذا دے سکتے ہو۔ نہ اُس سے ذلت اور رسوائی کا کوئی کام کروا سکتے ہو۔ اگر غلام کے مذہب میں مداخلت جائز نہیں ہے تو شہر یا محلے میں کسی سے مذہبی اختلاف پر لٹھ چلانے کی اجازت کس نے دی ہے؟

ہمارے ہاں شیعہ کا جلوس ہوتا ہے جسے ہم درست نہیں سمجھتے ہم ہیں اگر شرافت ہو تو ہم اپنے گھر بیٹھ جائیں، وہاں چندہ نہ دیں۔ دیکھنے نہ جائیں، اُس میں تعاون نہ کریں۔ اس سے زیادہ کی تو گنجائش نہیں ہے۔ اگر انہیں یہ ثابت کرنا چاہتے ہو کہ وہ غلط ہیں تو صحیح کیا ہے؟ اپنے عمل سے پیش کرو۔ خود عبادت کرو، روزے رکھو، نماز پڑھو، تلاوت کرو، نیکی کرو۔ بھلائی کرو تاکہ لوگوں کو یہ رشک پیدا ہو کہ جس راستے پر تم جا رہے ہو وہ کتنا نفیس، کتنا صاف ستھرا، کتنا بہترین راستہ زندگی ہے۔ وہاں لٹھ چلانے کی اجازت اللہ نے، اللہ کے رسولؐ نے نہیں دی۔ ہاں اگر کوئی شخص اپنی ذاتی دھونس جمانا چاہتا ہے، اپنا ذاتی وقار بنانا چاہتا ہے یا اس بہانے چندہ جمع کرنا چاہتا ہے تو وہ بات دوسری ہے اسلام نہیں ہے یہ فساد ہوتا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ جہاد ہو رہا ہے لوگ فخر سمجھتے ہیں کہ ہم وہاں اتنی گولیاں چلا کر آئے ہیں۔ اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ خدا کے لیے دین کو سمجھو، اسلام سلامتی کا دین ہے۔

کم از کم وہ مکاتب فکر جن میں بنیادی اختلاف نہیں ہے، جن میں سر فہرست اہل حدیث، دیوبندی اور بریلوی ہیں خدا کے لیے تم تو ایک دوسرے کو برداشت کرو، توحید میں آپ لوگ متفق ہیں، رسالت میں متفق ہیں، صحابہ میں متفق ہیں، حدیث میں متفق ہیں، سنت میں متفق ہیں، قرآن میں متفق ہیں، غیر مقلدین کے تمام مدارس میں، دیوبندیوں کے مدارس میں، اور بریلویوں کے مدارس میں نصاب ایک ہے، حدیث کی فقہ کی، تفسیر کی کتابیں سب کی ایک ہیں، پھر ایک دوسرے پر زبردستی کی کیا ضرورت ہے

خدا کے لیے سب سے پہلے اپنی ذات کی فکر کرو۔ اپنی فکر کرنے سے پہلے ہمیں دوسروں کی فکر ہوتی ہے ہم کہتے ہیں یہ غلط ہے یہ باطل ہے، وہ گنہگار ہے یا ظالم ہے لیکن ہم خود کو تلاش کیوں نہیں کرتے۔ کہ جہاں میں کھڑا ہوں کیا یہ برحق ہے جس کے چاروں طرف اسلام دشمن بستے ہیں اور اسلام دشمن طاقتوں کی نگاہ اس ملک پر ہے کہ اسلامی ریاستوں میں سب سے بڑی، سب سے مضبوط اور دوسروں سے زیادہ اسلام پر عمل کرنے والے لوگوں کی ریاست یہی ہے اسلامی احکام پر جتنا عمل اتنے گئے گزرے پاکستان میں ہو رہا ہے اتنا دنیا کی کسی اسلامی ریاست میں نہیں ہو رہا اس ملک میں جتنے لوگ عقائد اسلامیہ، حدیث اور قرآن کے شروع سے واقف ہیں۔ دنیا کی کسی ریاست میں نہیں ہیں۔ اس لیے دنیائے کفر کی اس پر نگاہ لگی ہوئی ہے اگر اس کے اندر رہ کر ہم یہ چھوٹی چھوٹی جنگیں لڑتے رہے تو کہیں بڑی جنگ کفر نہ جیت جائے۔ یہ مت سوچو اگر ہم چلے جائیں گے تو اسلام ختم ہو جائے گا نہیں! ہماری بقا اسلام کے دامن میں ہے اسلام کی بقا ہماری محتاج نہیں ہے۔

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ۔

خدا قادر ہے۔ کسی قوم کو ایمان کی توفیق نصیب کرے۔ یہی حال خانہ جنگیوں، ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے، اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر مناظرے کرنے پر مسلمانوں کا ہوا تھا تو اُن پر تاتاری مسلط ہو گئے انہوں نے مسلمانوں کی سلطنتوں پر سلطنتیں روند ڈالیں۔ تباہ کر دیں مگر عجیب بات ہے کہ خود مسلمان ہو گئے۔ اور اسلام کے خادم بن گئے جو اسلام کو مٹانے نکلے تھے۔ وہ اسلام کے خادم اور چوکیدار بن گئے وہ جو شاعر نے کہا تھا۔

ع پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے۔

یہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جو اسلام کو مٹانے نکلے تھے اللہ نے انہیں ایمان نصیب کر دیا۔ خدانخواستہ اگر ہم اس طرح دین سے دور ہوتے جائیں گے تو بالکل ممکن ہے کہ اللہ کریم ہمیں اپنے غضب میں گرفتار کر لیں۔ اور کسی دوسری قوم کو نورِ ایمان عطا کر دیں۔ چونکہ اللہ کریم کو یہ پسند نہیں ہے کہ اُس کی زمین پر فساد پھیلایا جائے۔ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔ جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے اللہ جل شانہٗ کے دین میں یہ گنجائش نہیں ہے کہ آپ کسی کا بھی حق چھین لیں۔

اگر مجھے اور آپ کو ایک عقیدہ، ایک طرزِ عمل، اپنانے کا حق اللہ کریم نے دیا ہے تو دوسرے انسانوں کو اتنا ہی حق دیا ہے کہ وہ کیا عقیدہ، کیا مذہب رکھنا چاہتے ہیں۔ اب کس کا عقیدہ اور کس کا عمل حق ہے یہ فیصلہ اللہ کریم کا ہے میرا اور آپ کا نہیں۔ ہمیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم اپنے طور پر فیصلے کریں۔ ہاں اگر کسی کو باطل میں گرفتار دیکھتے ہیں تو اُس کے سامنے حق کے محاسن بیان کرنا اچھی بات ہے لیکن اسے طعنے دینا، اُس پر پتھر پھینکنا اُسے ذلیل و رسوا کرنے کی اجازت نہیں ہے اگر ہم اتنی سی بات سمجھ جائیں تو ملک سے کتنا فساد ختم ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی ظلم کرتا ہے تو اُس کے جواب میں اُس پر ظلم کرنا جائز نہیں ہے۔ زیادتی کرنے والے کی گرفت کرنا، اس کا محاسبہ اللہ کریم خود ان لوگوں سے کرے گا۔ جنہیں اُس نے اقتدار و اختیار دیا ہے وہ اس کے مکلف ہیں۔ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت اللہ کریم نے کسی کو نہیں دی۔ ہاں آپ اگر چاہتے ہیں کہ آپ اچھے لوگوں کو نیک لوگوں کو، صالح لوگوں کو منتخب کر کے آگے لائیں لیکن اُس وقت میری اور آپ کی پسند دین نہیں ہوتا۔ اُس وقت ہماری سوچ یہ ہوتی ہے کہ اُس آدمی کو ووٹ دیا جائے جو کل برائی میں ساتھ دے سکے۔ ہمارا بنیادی نظریہ یہی ہوتا ہے جب وہ برسرِ اقتدار آتا ہے تو ہم اس سے بھلائی کی توقع رکھتے ہیں ہم اپنے کردار اور عمل کے خلاف امید اور آس لگائے بیٹھے ہوتے ہیں اس وقت جتنی ضرورت ہمیں اِس بات کو سمجھنے کی ہے شاید کبھی نہ تھی۔

دیکھو مختلف لوگ پیسے بنانے کے لیے، سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے اقتدار تک پہنچنے کے لیے مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر ان کی لاشوں کی سیڑھیاں بنا کر اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ یہ بڑا آسان راستہ ہے اقتدار کا۔ اس ملک میں کل تک جو لوگ جھونپڑیوں میں بیٹھے تھے۔ لوگوں کو ایک نعرہ دے کر، لڑا بھڑا کر، گولی چلا کر، ہفتہ بعد ایک بہت بڑی کوٹھی کرایہ پر لے لیتے ہیں اُن سے ملنے کے لیے ٹائم لینا پڑتا ہے کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ یہ شخص کل جھگی میں تھا آج بنگلے میں کیسے آ گیا؟ اس نے پیسے کہاں سے لیے؟ لوگ ہیں کہ پاگلوں کی طرح نعرے لگاتے پھرتے ہیں آج ایک شخص ہمیں کہتا ہے فلاں ظالم ہے' اس کا گھر جلا دو' اس کے خلاف جلوس نکالو' اور کل اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے اُسی شخص کے دروازے پر بیٹھا اُس کی تعریف کر رہا ہوتا ہے ہم کیوں نہیں سوچتے کہ مختلف لوگ اقتدار کا' اور دولت جمع کرنے کا

ذریعہ ہمیں بناکر اوپر چلے جاتے ہیں۔ ہم کیوں ان کی باتوں میں آتے ہیں۔ یاد رکھو جس بارگاہ میں بادشاہ کو پیش ہونا ہے۔ فقیر بھی اُسی میں پیش ہوں گے۔ تم بادشاہ کی فکر نہ کرو اپنی فکر کرو کہ ہم کیا جواب دیں گے جو صورتحال ہمارے ملک میں ہے اس کے لیے دانشور کیسے کیسے علاج تجویز کرتے رہتے ہیں کوئی کہتا ہے جماعتی انتخاب ہو گا تب یہ درست ہو گا، دوسرا کہتا ہے بندوق ہاتھ میں لے لو گولی کا جواب گولی سے دو تب بات بنے گی۔

دو ہی مکتب فکر ہیں، دو ہی طرح کی سوچ رکھنے والے لوگ ہیں ایک وہ جو کہتے ہیں جلوس نکالو، بسیں جلا دو، گاڑیاں جلا دو، دوکانیں لوٹ لو، یہ تو سوچو جن کی دکانیں لٹتے ہو ان کا کیا قصور ہے۔ ایک غریب آدمی جائیداد رہن رکھ کر بیوی کا زیور بیچ کر قسطوں پر موٹر لیتا ہے آپ اُس کی موٹر سڑک پر جلا دیتے ہیں اُس نے کیا قصور کیا ہے کتنے خاندان کئی نسلوں تک کے لیے زیر بار ہو جاتے ہیں اُجڑ جاتے ہیں۔ ایک آدمی کا آپ۔ جلوس۔ نکالتے ہیں اُسے گولی مار دیتے ہیں۔ آپ کو کیا پتہ اس آدمی کے سر پر کتنی زندگیاں بھروسہ کیے بیٹھی تھیں۔ کتنے بچوں کا کفیل تھا کتنی ماؤں بہنوں کا آسرا تھا کتنے خاندانوں کا وہ اکیلا کفیل تھا۔ اگر حکومت درست نہیں ہے، حکومت ظلم کرتی ہے تو اُس غریب کا کیا قصور تھا جسے راستہ چلتے ہوئے گولی لگ گئی۔ دو ہزار، تین ہزار یا پانچ ہزار روپے کے عوض آپ ایک ٹرین کے نیچے بم رکھ دیتے ہیں، دھماکہ ہوتا ہے انسانوں کے چیتھڑے اُڑ جاتے ہیں۔ آپ کو یہ خیال نہیں آتا کہ کتنے خاندان اُجڑ جائیں گے مسلمان مسلمان کا خون بلا وجہ کیوں کرتا ہے؟

آپ کہیں گے کہ ہم دھماکے نہیں کرتے، آپ ہمیں کیوں پریشان کر رہے ہو۔ میں نہیں کرتا آپ نہیں کرتے لیکن ہم دھماکے روکنے میں بھی تو اپنا پارٹ ادا نہیں کر رہے اگر ہم ظلم کر نہیں رہے تو میں اور آپ کیا لوگوں کو ظلم سے منع کر رہے ہیں اگر ہم روک نہیں رہے تو یہ بھی ظلم کے ساتھ ایک تعاون ہے۔ کہ ہم اس کو بڑھنے سے روکنے کے لیے کچھ نہیں کر رہے کم از کم جہاں تک ہمارا حلقہ اثر ہے جیسے آپ میری بات سنتے ہیں تو مجھ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ میں فرائض و واجبات یا دوسرے مسائل یا قرآن کا ترجمہ یا تفسیر بتاؤں یہ بھی مجھ پر اللہ کریم کی طرف سے فرض عائد ہوتا ہے کہ اس دور کی ضرورت بھی میں آپ پر آشکارا کروں۔ اگر آپ بھی جہاں تک آپ کی آواز پہنچتی ہے اپنی آواز کو پہنچائیں تو یہ کوئی اتنا مشکل کام نہیں کہ قوم کو تباہی کے راستے سے روک سکیں، رکنا نہ رکنا قوم کی اپنی قسمت کی بات ہے ہم اپنا حصہ اپنا حق تو ادا کریں۔

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۔ کہ زمین پر اس کی اصلاح کے بعد فساد مت پھیلاؤ وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ط اور اللہ کو ہمیشہ پکارتے رہو۔ اُس کے غضب سے ڈرتے ہوئے اور اُس کی رحمت کی امید رکھ کر۔ اتنے جرأت مند نہ ہو جاؤ کہ اُس کی نافرمانی شروع کر دو اور اُس کے غضب سے ڈر نہ لگے اس کی بارگاہ سے ناامید ہونے کی ضرورت بھی نہیں کہ تم کتنے بڑے گنہگار ہو اس کی رحمت تمہارے گناہوں سے وسیع تر ہے۔ ہماری، مولوی کی، پیر کی، فقیر کی، ہم سب کی اس وقت کی ضرورت یہ ہے کہ ہم لوگوں میں نفرت کی بجائے محبت بانٹیں، چونکہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبتوں کے رسول ہیں نفرتوں کے نہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔

كُنْتُمْ أَعْدَاءً حضورؐ کی بعثت سے پہلے اے نوع انسانی تم ایک دوسرے کے دشمن تھے فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا۔ بعثت نبوی کے ذریعے اللہ نے تمہارے دلوں میں محبتیں بانٹ دیں۔ اور شب بھر میں ایک دوسرے کے دشمن بھائی بھائی بن گئے۔ اے لوگو! اسلام محبتوں کا مذہب ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبتوں کے رسول ہیں، اگر کسی کو دے سکتے ہو تو محبت دو۔ انسانیت کے ساتھ محبت کرو۔

حضورؐ کے طرز عمل کو دیکھو کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضورؐ کے پاس اقتدار تھا طاقت تھی قوت تھی وہی مکہ جہاں سے حضورؐ ہجرت کر کے گئے تھے اسی مکہ مکرمہ میں بحیثیت فاتح داخل ہوئے اور سارے مکے کے باسی آپ کے غلام اور قیدی تھے۔ وہی لوگ جو آپ کو ایذا دیتے تھے وہی لوگ جو آپ کو تکلیف پہنچاتے تھے۔ وہی لوگ جنہوں نے مسلمانوں پر مظالم کیے وہ مسلمانوں کی قید میں تھے، حضورؐ فرما سکتے تھے جس نے مسلمانوں کو تنگ کیا ہے اُسے الٹا لٹکا دو جس نے کوڑے مارے ہیں اُسے کوڑے مارو جس نے درے مارے ہیں اُسے دُرے مارو۔ آپ بیت اللہ شریف کے دروازے میں جلوہ افروز ہوئے۔ اہل مکہ قطار در قطار سامنے موجود تھے۔ مسلمان افواج دونوں پہلوؤں سے احاطہ کیے ہوئے تھیں آپ نے پوچھا کہ اے اہل مکہ، مشرکین مکہ، اے کفار مکہ، تم مجھے جانتے ہو تم مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو۔ وہ کہنے لگے ہم نے تو بڑے ظلم کیے

ہیں لیکن ہم ظالم تھے تم رحمت کے رسول ہو آپ سے ہمیں ایسا کوئی اندیشہ نہیں ہے ہم نے آپ پر ظلم کیے اس لیے کہ ہم ظالم تھے لیکن آپ تو کریم ہیں فرمایا، تم نے درست اندازہ لگایا۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۔ آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ سزا تو علیحدہ رہی، تمہیں غلام بھی نہیں بنایا جائے گا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ شرط نہیں لگائی کہ "میرا کلمہ پڑھو گے تو آزاد کرونگا، ورنہ نہیں" فرمایا "جاؤ تم آزاد ہو، چاہو ایمان لاؤ نہ چاہو تو اپنے کفر پر قائم رہو۔ میں نے دین پہنچانے کا حق ادا کر دیا، نہیں مانو گے تو اللہ کے روبرو جاؤ گے، تم سے جواب پرسی ہوگی۔"

اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ بدر میں مشرکین مکہ کے ستر آدمی قید ہوگئے بڑے چوٹی کے لوگ تھے بدر کی جنگ وہ جنگ ہے جس نے دنیائے کفر و اسلام میں حد فاصل قائم کر دی۔ دنیا میں سب سے بڑی عظیم جنگ، بدر کی جنگ ہے جس نے کفر اور اسلام کو جدا جدا کر دیا۔ اسلام کے ساتھ تائید باری کا جو رشتہ تھا پھر آشکارا کر دیا۔ کفر کے مقدر میں جو ذلت تھی وہ بھی وہاں میدان میں واضح ہوگئی۔ بدر کے جو قیدی تھے وہ تو اسلام کا نام و نشان مٹانے آئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وہ تین سو تیرہ خدام تھے جن کے بارے میں حضور نے دعا کی تھی کہ "خدا آج سارے کا سارا اسلام بدر میں لے آیا اگر یہ یہاں قتل کر دیے گئے فَلَنْ تُعْبَدَ أَبَدًا پھر کبھی کوئی زبان تیرا نام نہیں لے گی یہ سارے کا سارا اسلام یہیں ہے۔ خدایا ان کی مدد فرما۔"

جو لوگ اس سارے اسلام کو مٹانے نکلے تھے دنیا میں سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے کے لیے آپ کے مقابلے میں ہتھیار اٹھا کر آئے تو ایسے لوگوں کو کیا دیا کرنا چاہیے ان کے بازو پیچھے بندھے ہوئے تھے اور ایک خیمے میں رکھے گئے، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم آرام فرمانے کے لیے جب اپنے خیمے میں تشریف لے گئے تو کسی نے ان میں سے پہلو بدلا ہوگا اس کی آہ نکلی ہوگی حضور کے کان مبارک تک پہنچ گئی آپ نے خدام سے پوچھا یہ کراہ کیسی ہے؟ یا رسول اللہ یہ بدر کے قیدی ہیں اپنے خیمے میں کراہ رہے ہیں کیوں کراہ رہے ہیں؟ پوچھو ان سے۔ اس نے پوچھ کر عرض کی، ان کے بازو ذرا سخت بندھے ہوئے ہیں۔ پہلو بدلتے ہوئے اس کی کراہ نکل گئی۔ فرمایا ان کے بازو ڈھیلے کر دو۔ اگر مکے کا وہ کافر جو حضورؐ پر تلوار سونت کر میدان میں آیا ہے وہ یہ حق رکھتا ہے کہ اسے ایذا نہ دی جائے لیکن ہمارے محلے میں اگر کوئی بلند آواز سے درود شریف پڑھ لیتا ہے تو وہ واجب القتل کیوں! یا دوسرا بلند آواز سے نہیں پڑھتا تو اس پر کیوں کیچڑ اچھالا جاتا ہے! ہم ایسا کرتے ہیں تو اسلام کے لیے نہیں کرتے۔ اپنی انا کے لیے، اپنے آپ کو منوانے کے لیے، کسی چندے یا ٹیکس کے لالچ میں، کسی اقتدار اور وقار کے لالچ میں کرتے ہیں اللہ تو منع فرماتا ہے۔ فرماتا ہے۔

لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ ۔ میری زمین میں بگاڑ پیدا مت کرو تم اس کے بنانے والے نہیں ہو۔

فرمایا۔ وَادْعُوهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۔ اللہ اور اس کی عظمت سے ڈرتے ہوئے اور اس کی رحمت سے امید اور آس نہ توڑتے ہوئے پکارتے رہو اور یہ بھی یاد رکھو یہ بڑی پکی بات ہے۔

إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ۔ اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے بہت قریب ہے ظلم کرنے والوں کے نہیں، زیادتی کرنے والوں کے نہیں، طعن و تشنیع کرنے والوں کے نہیں۔ دوسروں کو رسوا کرنے کی کوشش کرنا کہاں کا انصاف ہے۔ اگر کوئی غلطی کر رہا ہے تو آپ اس کی مثبت انداز سے، تعمیری انداز سے اسے سمجھا تو سکتے ہیں کہ صحیح طریقہ یہ ہے لیکن اس پر کیچڑ اچھالنا، اس پر پتھر پھینکنا، اس کے لیے راستہ بند کر دینا، اس پر گولی چلانا، یہ دین نہیں ہے یہ ہماری ذاتی انا کے مسئلے ہیں یہ ہمارے اپنے لالچ کے مسئلے ہیں کسی کی سیاسی مصلحت ہے کسی کی معاشی مصلحت ہے میں اور آپ، ہم عام آدمی ہیں ہم صرف بے وقوف بن کر بھاگتے رہتے ہیں نہ ہمیں سیاست سے کوئی چیز ملتی ہے نہ کوئی مالی منفعت ملتی ہے۔

لوگو! یہ بھی نہ سمجھو کہ ہمیں کیا! ہم بھی ذمہ دار ہیں۔ جہاں تک ہمارا اثر ہے، جہاں تک ہماری بات پہنچتی ہے، جہاں تک ہمارے فعل کا اثر ہے، اس کا حساب ہم سے بھی ہوگا کہ جب حضور اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی امت پریشان تھی تو تم نے اس کی پریشانیوں میں اضافہ کیا یا اس کی پریشانیوں کو کم کرنے کے لیے کچھ کیا۔ میں آپ سے یہ گذارش کروں گا کہ آپ کو اگر کسی کے ساتھ عقیدے کا اختلاف ہے تو اس پر اینٹیں مت پھینکیں اس کے ساتھ لڑائی مت کریں وہ اپنے راستے پر چل رہا ہے آپ اپنے راستے پر چلیں۔ اگر آپ کو اس کے ساتھ ہمدردی ہے تو آپ کے پاس جو اچھی چیز ہے وہ پیار سے، ہمدردی سے

اور اچھے طریقے سے پیش کریں۔ آپ یہ تو بتا سکتے ہیں کہ یہ کام اچھا ہے لیکن بزور شمشیر اُس سے منوا نہیں سکتے کہ مانو ورنہ گولی چلا دوں گا۔ یہ درست نہیں ہے۔

مسلمانوں کی اس مملکت میں مزید فساد پھیلانے کا سبب نہ بنو ہو سکے تو اس بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھانے میں اپنا کردار ادا کرو۔

لوگو! کثرت سے ذکر کیا کرو نبی رحمت صلی اللہ تعالے علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے رہا کرو، حلال پر قناعت کرو، حرام سے کبھی سکون نصیب نہیں ہوگا نہ دنیا میں، نہ آخرت میں، جائز طرز حیات اپناؤ کہ اللہ کی رحمت آپ کو نصیب ہو اور دوسروں کی بھلائی کی فکر کرو۔ لوگوں کو ایذا دینے کا سبب نہ بنو۔

اللہ کریم ہم سب مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

(حضرت شیخ المکرم مولانا محمد اکرم مدظلہ کا دارالعرفان میں جمعہ ۵ فروری ۱۹۸۸ء کا خطبہ)

فتنہ وفساد کے وقت جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم

—— (حدیث حذیفۃ بن الیمان ﷺ) ابو ادریس خولانیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ لوگ عام طور پر رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں دریافت کیا کرتے تھے اور میں اس خوف سے کہ کہیں شر میں مبتلا نہ ہو جاؤں آپ سے شر کے متعلق سوال کیا کرتا تھا، چنانچہ (ایک دن) میں نے آپ سے پوچھا: یارسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس خیر (اسلام) سے ہمیں مشرف فرمایا تو کیا اس خیر کے بعد بھی کسی شر کا امکان ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کیا اور کیا اس شر کے بعد بھی خیر آئے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں لیکن اس میں کدورت ہوگی۔ میں نے عرض کیا: یہ کیسی کدورت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ایسے لوگ بھی ہوں گے جو میرے طریقے کی بجائے دوسرے طریقوں کی طرف راہ نمائی کریں گے، تم ان کی بعض باتوں کو اچھا پاؤ گے اور بعض باتیں بُری ہوں گی، میں نے عرض کیا: کیا اس خیر کے بعد پھر کسی قسم کا شر پیدا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، لوگ اس طرح گمراہی پھیلائیں گے گویا وہ جہنم کے دروازے پر کھڑے لوگوں کو بُلا رہے ہیں، جو ان کی پکار پر لبیک کہے گا وہ اسے جہنم میں ڈال دیں گے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان کے کچھ اوصاف بیان فرمایئے، آپ نے فرمایا: وہ ہماری ہی طرح کے لوگ ہونگے اور ہماری ہی زبان میں بات کریں گے (بظاہر مسلمان ہوں گے اور اسلام کی باتیں کریں گے)، میں نے عرض کیا: یہ زمانہ اگر مجھ پر آگیا تو میرے لیے آپ کا کیا حکم اور ہدایت ہے؟ آپ نے فرمایا، تم ایسے وقت میں جماعت المسلمین اور مسلمانوں کے امام سے وابستہ رہنا، میں نے عرض کیا: اگر اس وقت مسلمانوں کی جماعت اور امام نہ ہو تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: تو تم تمام ایسے فرقوں سے کنارہ کش رہنا خواہ تم کو درخت کی جڑیں چبانا پڑیں حتّٰے کہ جب تمہیں موت آئے تو اس حالت میں آئے کہ تم ان میں سے کسی کے ساتھ نہ ہو۔

اخرجہ البخاری فی: کتاب ۶۱ المناقب: باب ۲۵ علامات النبوۃ فی الاسلام

محرم الحرام

محرم الحرام کا اعلان پھر سے ہوا۔ عمرِ عزیز کا ایک سال اور گیا۔ خیر القرون سے دوری میں ایک سال کا مزید اضافہ ہوا اور شاید حسبِ روایت ہمارا یہ مبارک مہینہ بھی ذاتی مفادات کو دینی رنگ میں حاصل کرنے کی نذر ہو گا یہ کم از کم وطنِ عزیز کا بہت بڑا المیہ ہے۔ کروڑوں روپے بے شمار زورِ قلم اور بے حساب زورِ بیان صرف ہوتا ہے مگر ملک اور قوم کو اس سب کے نتیجے میں شاید بدامنی فساد اور خون خرابے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

کیا یہ سب کچھ ایسا ہی رہے گا اور ہم ہمیشہ یہی حالات و واقعات دیکھتے اور برداشت کرتے چلے جائیں گے؟

کیا جس مقدس اور اللہ کے پسندیدہ مذہب کے سال کا یہ افتتاحی مہینہ ہے اس مذہب میں یہ سب کچھ کرنے کی اجازت ہے؟

کیا جس عظیم ہستی یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مبارک نام پر یہ سب ہوتا ہے ان کے نزدیک یہ پسندیدہ شغل ہے ؟ اگر نہیں تو ہم کب سوچیں گے؟

خانوادۂ نبوت کی مظلومانہ شہادت اپنے اندر بے شمار پہلو رکھتی ہے اور اس کا ہر پہلو قوم کے لیے درسِ حیات ہے۔ منجملہ ایک پہلو یہ بھی ہے اور غالباً اس پہلو پر بھی کسی مکتبِ فکر کو اعتراض نہ ہو گا کہ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قومی مفادات پر نہ صرف ذاتی مفادات کو نہ صرف اپنی جان کو بلکہ اپنے خاندان کو نچھاور کر دیا ایک ایسا خاندان جس کی مثال روئے زمین پر کوئی دوسرا خاندان نہ تھا کس قدر قیمتی جانیں تھیں وہ اس کے لیے اتنا کافی ہے کہ یہ وہ مقدس و مطہر و مبارک وجود تھے جن کی رگوں میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک خون رواں تھا یہ زمین پر اللہ کی نشانیوں میں سے عظیم نشانیاں تھیں مگر قومی مفادات کے تحفظ کا سوال اتنا ہی اہم ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سب کچھ اس پر نچھاور کرتے چلے گئے کاش ہم بھی ذاتی مفادات کے چھوٹے چھوٹے چکروں سے خود کو آزاد کرا سکتے۔ کاش ہماری نگاہ میں بھی قوم کی اہمیت اپنی اصلی حیثیت میں جلوہ گر ہوتی وہ قوم جو اسلام کی امین ہے اسے چند ٹکڑوں کے حصول کی خاطر آپس میں نہ لڑاتے تقسیم در تقسیم کرتے نہ چلے جاتے اسے کاش ہمارے ان بھائیوں، بزرگوں اور رہنماؤں کو کبھی خیال آتا اللہ کریم نے روئے زمین کا بہترین خطہ ایک آزاد ملک کی صورت میں ہمیں بخشا ہے ہم اس کی تعمیر پر اپنی توانائیاں خرچ کرتے کاش ہم دین سیکھنے جاننے پر توجہ دیتے اس پر عمل کے لیے اللہ کریم سے توفیق طلب کرتے کہ وہی کارساز بھی ہے اور کریم بھی ہے۔

اللہ اس نئے سال کو تمام مسلمانانِ عالم کے لیے اور خصوصاً اہلِ وطن کے لیے مبارک کرے نیکی اور بھلائی کی توفیق ارزاں فرمائے اور برائی کے راستے سے محفوظ رکھے آمین

فقیر محمد اکرم

برطانوی مسلمان اوران کا مستقبل

مولانا محمد اکرم

لندن میں دیکھنے کی چیزیں بہت ہیں۔ بادل بارش اور سردی یہاں کا خاصہ ہے۔ واقعی سچ کہا گیا ہے "سخت سردی پڑرہی تھی مہینہ جون کا"۔

ہمارے ہاں جون گرم ترین موسم ہوتا ہے مگر یہاں ہیٹر چلا کر اور رضائی لے کر گزارہ ہوتا ہے۔ بارش اور سخت ٹھنڈی ہوا رات دن کا معمول ہے مگر ان کی زندگی کے معمولات میں کوئی رکاوٹ نہیں پڑتی۔ گھر۔ موٹریں۔ دفتر۔ دکانیں سب کچھ موسم کے مطابق رکھا جاتا ہے نہ کبھی بجلی کی لوڈشیڈنگ ہوتی ہے، نہ بارش میں فون خراب ہوتے ہیں لہذا زندگی اپنی پوری جولانیوں کے ساتھ رواں دواں ہے۔ رات سات گھنٹے کی اور سترہ گھنٹے کا دن ہے۔ ۹:۳۰ بجے مغرب اور پونے گیارہ بجے عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر کھانا کھاتے رات بارہ بج جاتے ہیں۔ دو بجے تہجد کا وقت۔ ہم نے بھی یہاں بہت کچھ دیکھا ہوائی اڈے سے لے کر بازار تک زندگی کا ایک ہی انداز ہے جس میں بظاہر چمک دمک اور چہل پہل نظر آتی ہے مگر اس لمحاتی اور بناوٹی چمک سے اندر کی روشنی چھین کر انسانوں کے اس جم غفیر کو غول بیابانی بنا دیا ہے۔ اللہ سے دوری مذہب سے بیزاری، آخرت سے انکار اور دنیا کی لذتوں میں ہر خوشی کی تلاش۔ یہ اس معاشرے کا حدود اربعہ ہے۔ سڑکیں کشادہ بازار خوبصورت، گلیاں روشن مگر دل تنگ ویران اور تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ خوبصورت پارکوں میں فحاشی اور برہنگی کے مظاہر، آباد زمین پر برباد انسانیت کے کھنڈر ہیں۔ اس سارے ہنگامہ ہائے ہو میں مسلمان بھی اس معاشرے کا ایک حصہ ہیں اسلامی نقطہ نظر سے تو غیر مسلموں کا حال بھی قابل رحم ہے یہ بیچارے ہمدردی کے مستحق ہیں کاش کوئی صاحب درد ان کے دلوں کو گرما سکتا اور اللہ کی بھٹکی ہوئی مخلوق کو تباہی کے اس غار میں گرنے سے بچانے کے لیے کچھ کرتا مگر صد افسوس کہ جن سے یہ امید تھی یعنی مسلمان، ان کا اپنا حال ان سے کچھ کم قابل رحم نہیں۔ مختلف امراض کے شکار، ذہنی، اخلاقی اور ایمانی اعتبار سے کمزور ہو کر خود اسی گرداب میں گم ہونے کو ہیں جس میں یہ معاشرہ ہو رہا ہے اللہ کریم سے دعا ہے کہ ہم سب پر رحم فرماتے ہوئے ہمیں ہدایت سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

میرے ذاتی تجربے کے مطابق یہاں مسلمان تین طبقوں میں بٹ چکے ہیں۔

اول۔ نام اسلامی ہیں مگر عقیدہ و عمل سے خالی اور یکسر مغربیت میں ڈوبے ہوئے۔ یہ طبقہ عموماً عمر رسیدہ لوگوں پر مشتمل ہے۔

دوم۔ دین دار نماز روزہ کے پابند اور اکثریت باریش شریف اور بھلے مانس قسم کے لوگ۔ یہ بھی عموماً عمر رسیدہ لوگ ہیں۔ ان دونوں طبقوں کے لوگ پیدا پاکستان میں ہوئے اور تلاش معاش میں یہاں آ پہنچے پھر یہاں آ کر اسی جگہ کے ہو رہے۔

اور تیسرا طبقہ ان سب لوگوں کی وہ اولاد ہے جو برطانیہ میں گذشتہ دہائی میں پیدا ہوئی یا گذشتہ پندرہ برسوں تک شمار کیا جا سکتا ہے جنہیں بجا طور پر برطانوی مسلمانوں کا مستقبل کہا جا سکتا ہے طبقہ اول کی جھلک جہاز میں ہی دیکھنا نصیب ہو گئی کہ ۱۵ جون کو ہم دوبئی کے بین الاقوامی ہوائی اڈے سے پی آئی اے کی اس پرواز میں سوار ہوئے جو کراچی، دوبئی، لندن چلتی ہے چیک ان ہو کر اندر جانے کے لیے سیڑھیاں تھیں جن پر دو عمر رسیدہ مسلمان جو غالباً پاکستان سے ہو کر لندن واپس جا رہے تھے مشکل اتر رہے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں نائلن کا لفافہ بھی تھا دوسرے بزرگ نے پوچھا یہ کیا ہے جواب ملا وہسکی (شراب) کی بوتل خریدی ہے فرمایا کیا بوجھ اٹھانا ضروری تھا تو کہنے لگے یہاں تین پاؤنڈ کی بوتل ملی ہے جبکہ لندن میں چودہ پونڈ کی ہے تو انہوں نے بڑی حسرت سے کہا کم از کم چھ خرید لیتے صرف ایک لے کر چل دیئے۔ یہ موت کی دہلیز پر کھڑے ہوئے بزرگوں کی عملی زندگی کی جھلک ہے۔

جس کا ایک اور منظر جہاز کے اندر ہماری ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایک عمر رسیدہ پاکستانی پیش کر رہے تھے جو ان خوش نصیبوں میں سے تھے جنھوں نے دوبئی سے بوتل خرید لی تھی۔ اتفاق سے تین کی سیٹ پر اکیلے تھے اور ایک آدھ پیگ ہی چڑھا پائے تھے کہ ایک برطانوی دوشیزہ نے انہیں تاڑ لیا جو کسی ایسے ہی شکار کی غرض سے جہاز میں آگے پیچھے بھاگ دوڑ رہی تھی انہوں نے بڑی خوشی سے اسے کھڑکی کی طرف بٹھایا اور اپنے بوڑھے لرزتے ہاتھوں سے جام پہ جام بنا کر نثار کرتے رہے غالباً لندن سے پہلے ان کی بوتل ختم ہو چکی تھی۔ بہر حال بجز دعا چارہ نیست۔ اس لیے کہ وہ خود بڑے خوش نظر آ رہے تھے اپنے سفر پر شاید اپنی ہمسفر کی وجہ سے مجھ سے فرمانے لگے تم نے سو کر راستہ کاٹا ہے مجھے دیکھو میں نے پلک نہیں جھپکی ٹھیک ہے بھائی۔

اب دوسرے طبقے کا حال سنیے

برطانیہ میں بسنے والا یہ نمازی طبقہ پاکستانی علماء کی زد پر ہے اور ان کی آمدن کا بہت بڑا ذریعہ ہے ہر طرح کے چندے انہی سے ملتے ہیں لہذا ہر مکتب فکر والوں نے اپنے لوگ مختص کر رکھے ہیں بلکہ ہر مکتب فکر کے اندر بھی مولوی حضرات کا ایک ذاتی حلقہ دائرہ ہے جس کے ساتھ پیر صاحبان کی شفقیت بھی ان پر ہیں اور یہ لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹے ہوئے ایک دوسرے سے خوب لڑتے ہیں ایک دوسرے کو کافر کہتے بھی ہیں اور سمجھتے بھی ہیں مساجد کے اندر لڑائیاں ہوتی ہیں ایک دوسرے کی داڑھیاں نوچ کر اور خون بہا کر پھٹے ہوئے گریبانوں سے نجات کی امید لگائے معاشرے میں خود مذہب کی بدنامی کا باعث بن رہے ہیں۔ الا ماشاء اللہ ہر لڑائی کے بعد دونوں اطراف کے علماء پھر بلوائے جاتے ہیں جو نزاع کو پھر سے سان پر لگا کر جاتے ہیں اور اس کے بدلے ان سے پاؤنڈ نذرانوں میں وصول کرتے ہیں ساتھ جنت کا وعدہ کر کے چلے جاتے ہیں یہ صورت حال یہاں کا معمول بن چکا ہے کسی صورت بھی یہاں کوئی حیرت نہیں ہوتی۔ برطانوی پولیس مسجدوں میں گھس کر بیچ بچاؤ کراتی ہے جس پر لوگوں کو شکایت ہے کہ یہ جوتوں سمیت گھس آتے ہیں مگر خود جو کچھ کرتے ہیں اسے ثواب سمجھ رکھا ہے۔

اب تیسرے طبقے کی صورت حال تو یکسر مختلف ہے یہاں پیدا ہوئے، اسی ماحول سے آشنا ہیں غذا یہاں کی ہے فکر برطانوی ہے کردار برطانوی اپنا رہے ہیں سولہ سال تک سکول میں جانا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب مالِ غنیمت کو شخصی دولت بنا لیا جائے اور جب لوگوں کی امانت کو مالِ غنیمت سمجھ لیا جائے اور جب زکوٰۃ کو ایک تاوان سمجھا جانے لگے اور جب دین کو دنیا طلبی کے لیے سیکھا جانے لگے اور جب مرد اپنی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے اور دوست کو اپنے قریب کرے اور باپ کو دور کرے اور جب مساجد میں شور و غل ہونے لگے اور قبیلہ کا سردار اُن کا فاسق بدکار بن جائے اور جب قوم کا سردار اُن میں ارذل بدترین آدمی ہو جائے اور جب شریر آدمیوں کی عزت اُن کے شر سے خوف سے کی جانے لگے اور جب گانے والی عورتوں اور باجوں گاجوں کا رواج عام ہو جائے اور جب شرابیں پی جانے لگیں اور اس اُمت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کرنے لگیں۔ تو اُس وقت تم انتظار کرو ایک سرخ آندھی کا اور زلزلہ کا اور زمین خسف ہو جانے اور صورتیں مسخ ہو جانے کا اور قیامت کی ایسی نشانیوں کا جو یکے بعد دیگرے اس طرح آئیں گی جیسے کسی ہار کی لڑی ٹوٹ جائے اور اُس کے دانے بیک وقت بکھر جائیں۔"

نوٹ: اس حدیث کے الفاظ کو بار بار پڑھیے اور دیکھیے کہ کس طرح موجودہ دنیا کا پورا پورا نقشہ کھینچا ہے اور وہ گناہ جو مسلمانوں پر عام ہو چکے ہیں اور بڑھتے جا رہے ہیں اُن کی خبر چودہ صدیاں قبل آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دی ہے اور خبردار کیا ہے کہ ان گناہوں سے بچنے کا اہتمام کریں ورنہ آسمانی عذاب نازل ہوں گے۔ ان گناہوں میں عورتوں کا گانا اور گانے بجانے کے آلات کا جائزہ لیں کہ یہ آرٹ سنٹرز اور ثقافت ہی کس طرف لے جا رہے ہیں اور ان کو منظم کرنے والے اُمتِ مسلمہ کے کیسے خیر خواہ ہیں۔

قربِ الٰہی کا زینہ

دین کی خاصیت یہ ہے کہ یہ ثانوی حیثیت میں رہنا اپنی توہین سمجھتا ہے۔ یہ محکوم بن کر نہیں رہتا لہٰذا دیندار وہی ہے جو دین کو اپنی ذات کے اوپر مسلط کر لے اور اگر اپنی رائے کو دین پر مسلط رکھا تو یہ دینداری کا سوانگ ہے۔

لازمی ہے بچہ ہو یا بچی جہاں آٹھ گھنٹے تقریباً پڑھائی اور تعلیم کے نام پر ذہنوں کو ڈھالا جاتا ہے۔ لڑکے لڑکیاں اکٹھے پڑھتے اکٹھے کھیلتے اور تفریح کرتے ہیں معلومات انگریز بہادر سے پاتے ہیں یہ اس کی مرضی کہ وہ کیا سکھا رہا ہے۔ صبح کا کھانا سکول میں ملتا ہے جس میں ہر وہ چیز ملتی ہے جو انگریزی کھانوں میں ہوتی ہے اور یوں مادی، علمی اور ذہنی غذا سے مسلمانوں کے ہاں پیدا ہونے والے بچے اب بڑے آرام سے اس معاشرے کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔ آج بازار تک جانا ہوا اور ہم موٹر لے کر نہیں گئے کہ گاڑی پارک کرنا بھی ایک مسئلہ ہوتا ہے ٹیکسی پر گئے اور واپسی پر پھر ٹیکسی پکڑلی دونوں مرتبہ ٹیکسی ڈرائیور پاکستانی مسلمان تھے اور اچھے آدمی تھے دونوں نے اپنے مستقبل کے بارے اپنے اندیشوں کا اظہار کیا واپسی پر جو بات ہوئی وہ سن کر آپ اندازہ کر سکیں گے کہ صورتحال کیا ہے۔

ڈرائیور صاحب نے جو ممکن ہے مالک بھی ہوں از خود اپنے اندیشوں کا اظہار کیا تو میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ "What have you asked" کہ یہ سب آپ کا کیا دھرا ہے تو کہنے لگا "That is right [illegible]" کہ یہ ٹھیک ہے ہماری کوتاہیوں کا پھل ہے تو میں نے عرض کیا کہ آپ لوگ خود انگریز رہ کر بچوں کو مسلمان دیکھنا چاہتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے اگر آپ اپنی بات میں سچے ہیں تو پہلے خود کو مسلمان ثابت کریں۔ عقیدہ، عمل، سوچ ارادہ، شکل، حلیہ، لباس غرض ہر طرح سے آپ اپنے آپ کو واپس لائیں تو ممکن ہے آپ آنے والی نسل کے لیے بھی کچھ کر سکیں تو اس نے پرسوں کا واقعہ سنایا کہ میں بچوں کے سکول گیا تھا اور اتفاق سے وہاں وزیر تعلیم آیا ہوا تھا یعنی سکول میں وزیر تعلیم اور شہر میں خبر تک نہیں یہ یہاں کی اچھی باتوں میں سے ہے کہ ڈیوٹی کو ڈیوٹی سمجھ کر کیا جاتا ہے کاش ہم ایسی باتوں میں نقل ہی کر لیتے۔ تو اس سے ملاقات ہو گئی اور اچھا ہوا میں نے اپنا مدعا بیان کیا کہ ہمارے بچوں یعنی مسلمان بچوں کو حلال گوشت دیا جایا کرے کیونکہ یہاں تو سب چلتا ہے۔ حلال جانور بھی ذبح نہیں ہوتا اور خنزیر کا گوشت عام ہے۔ تو اس وزیر نے کہا کسی بچے کو بلاؤ کسی ایک پاکستانی یا مسلمان بچے کو، میں نے ایک بچے کو بلایا وزیر نے پوچھا تمہارا مذہب کیا ہے؟ بچے نے کہا پاکستانی وزیر نے کئی بار اپنا سوال دہرایا مگر بچہ یہ نہ کہہ سکا کہ میں مسلمان ہوں یا میرا مذہب اسلام ہے تو اس نے کہا ان کے لیے تم حلال گوشت کا مطالبہ کرتے ہو تو میں خاموش ہو گیا پھر اسی وزیر نے کہا تم لوگ جو پیدا پاکستان میں ہوئے تھے اور یہاں آئے ہو زیادہ سے زیادہ مزید بیس سال چلو گے پھر ختم ہو چکے ہو گے مر جاؤ گے یا ریٹائرڈ لائف گزار رہے ہو گے اور یہ بچے ہمارے معاشرے کا حصہ بن جائیں گے انہیں بھول جاؤ اور مت کہو ہمارے بچے، یہ تمہارے نہیں اب برطانیہ کے بچے ہیں یہ ہے برطانوی مسلمان کا مستقبل۔ کیا مسلمان کو اس کی فکر ہے کیا علماء حضرات بھی اور پیران عظام بھی آپس میں تصادم کروانے کی بجائے انہیں ایک اللہ اور ایک رسول کی بارگاہ میں جمع ہونے کا موقع دیں گے کہ یہ خود ان کی بھی ضرورت ہے اگر یہی حال رہا تو آخرت تو پہلے سے گئی پھر دنیا بھی ان کے ہاتھ سے جاتی رہے گی کہ یہی نسل انہیں پاؤنڈ دینا بند کر دے گی۔ گستاخی معاف میں سب کے حق میں ایسے الفاظ کہنے کی جسارت تو نہیں کر سکتا کہ یقیناً علماء اور پیر حضرات میں نیک اور اللہ کے مقرب بندے بھی ہوں گے مگر اکثریت کا حال یہی ہے جو عرض کر دیا گیا ہے اب اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ان مسلمانوں کو خلوص دل سے ساتھ وہ کھرا اور خالص پیغام پہنچایا یا یاد دلایا جائے جس کے ساتھ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات اور آپ کے انوارات ہوں جن سے زنگ آلود دل پھر سے صاف کئے جائیں اور نفرتوں کی جگہ ان سے محبت کے چشمے پھوٹیں اور مبارک ہے وہ شخص جو ان گرتے ہوئے مسلمانوں کو ایسا سنبھالا دے سکے کہ یہ اس معاشرے میں ڈوبنے کی بجائے پہلے سے غرق شدہ افراد کو بچانے کا کارنامہ انجام دے سکیں۔ مسلمان جس نے معاشروں اور ان کی رسومات کو زیر زبر کر دیا تھا اور جہاں پہنچا وہاں کفار کو ایمان سے آشنائی نصیب ہوئی تاریکیاں چھٹ گئیں اور نور اسلام کی جگمگاہٹ سے ارض وسما روشن ہو گئے کاش اتنی ہی قوت حاصل کر لے کہ کم از کم اپنی آئندہ نسل کو اپنے مستقبل کو تاریک ہونے سے بچا سکے تو آج کی حالت کے مقابلہ میں یہ بھی ایک کارنامہ شمار ہو سکتا ہے۔

حلیہ مبارک

عارف محمود

اس وسیع و عریض کائنات میں ایک عظیم ہستی مبارکہ ایسی ہے کہ جن کی مداح اور حسن و جمال کے تذکرے کسی نہ کسی انداز میں انسان ہوں جنات ہوں یا فرشتے۔ حتی کہ رب کریم خود بھی کرتے ہیں۔ وہ ہستی مبارکہ ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ آپ حضور کا جائزہ کسی بھی رُخ روشن سے کرلیں۔ تو آپ کو حضور کی ذات مبارکہ "حَسَنَۃٌ حَسَنَۃٌ" ہی معلوم ہوگی۔ لیکن اس وقت موضوع سخن ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مجموعہ حسن و جمال بھی تھے۔ اور یہ وہ مختصر ترین خاکہ ہے حضورؐ کے حسنؐ و جمال کا جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین نے بیان فرمایا۔

وجاہت

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر حضورؐ کے حسن و جمال کا بہت اثر پڑتا تھا حضرت عبداللہ بن سلام اسلام لانے سے پہلے حضورؐ کی مدینہ میں تشریف آوری کے وقت آپؐ کو دیکھنے آئے تو دیکھتے ہی پکار اٹھے "خدا کی قسم! یہ چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا نہیں ہو سکتا" (سیرۃ المصطفٰے صـ۲۴۹) حضرت ابو رمثہ تیمیؓ فرماتے ہیں "میں اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر حاضر ہوا تو لوگوں نے کہا یہ ہیں اللہ کے رسولؐ۔ تو میں نے دیکھتے ہی کہا واقعی یہ اللہ کے رسولؐ ہیں" (شمائل ترمذی) ربیع بن معوذؓ سے پوچھا گیا کہ اللہ کے رسولؐ کیسے تھے۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ "اگر تم رسولؐ اللہ کو دیکھتے تو یوں سمجھتے کہ اٹھتا ہوا سورج دیکھ رہے ہو" (دارمی) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں "میں نے حضورؐ سے زیادہ کسی کو خوبصورت نہیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا آفتاب رُخ روشن پہ چل رہا ہے" (شمائل ترمذی) ابو قرصافہؓ کی والدہ اور خالہ جب سرکار دو عالمؐ کی خدمت اقدس میں دین اسلام قبول کرنے کے لیے تشریف لائیں تو رخ انور پہ نگاہ پڑتے ہی فرمانے لگیں "ہم نے ایسا خوبرو شخص کوئی اور نہیں دیکھا۔ ہم نے آپؐ کے منہ سے روشنی سی نکلتی دیکھی ہے" (المواہب صـ۲۵۵) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

"نبی کرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سب سے زیادہ نیک دل، سب سے زیادہ راست گو، سب سے زیادہ نرم مزاج اور سب سے زیادہ خوش خلق تھے۔ پہلی نظر میں ہر کوئی آپؐ کی ہیبت سے مرعوب ہو جاتا تھا۔ کچھ دیر حاضری کے بعد محبت کرنے لگتا تھا۔ میں نے آپؐ سے پہلے اور بعد میں کسی کو بھی حضورؐ سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا۔" (شمائل ترمذی) حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں "حضورؐ جس راستے سے گزر جاتے تھے بعد میں آنیوالا کو خوشبو سے معلوم ہو جاتا تھا کہ ادھر سے حضورؐ تشریف لے گئے ہیں۔" حضرت جابر بن سمرہؓ اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ "چاندنی رات تھی حضورؐ نے سرخ کپڑا زیب تن فرمایا ہوا تھا اور میں حضورؐ کو دیکھ رہا تھا۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی حضورؐ کے چہرہ اقدس کو آخر کار اس فیصلے پر پہنچا کہ حضورؐ چاند سے کہیں زیادہ حسین ترین ہیں" (ترمذی) حضرت انسؓ فرماتے ہیں "میں نے حضورؐ سے پہلے اور حضورؐ کے بعد بھی کسی کو آپؐ جیسا خوبصورت نہیں دیکھا۔ رنگ چمکدار گورا تھا۔ پیشانی پر پسینہ ایسے نظر آتا تھا گویا موتی بکھرے ہوں" حضرت براءؓ بن عازب فرماتے ہیں۔ "میں نے کسی جوڑے والے کو سرخ لباس میں آپ سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا" حضرت ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں۔ "سرکار دو عالمؐ بہت شاندار تھے۔ چہرہ مبارک اسطرح چمکتا دمکتا جیسے چودھویں کا چاند" (شمائل ترمذی)۔

حضرت کعبؓ بن مالک فرماتے ہیں "جب حضورؐ کسی بات پر خوش ہوتے تو چہرہ مبارک اس طرح روشن ہو جاتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے" (بخاری و مسلم) شاعر رسول حضرت حسان بن ثابتؓ فرماتے ہیں "آپ سے زیادہ حسین میری آنکھوں نے نہیں دیکھا، اور آپ سے زیادہ خوبصورت فرزند کسی عورت کے بطن سے پیدا ہی نہیں ہوا۔ آپؐ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں۔ گویا آپؐ کی تخلیق آپؐ کی منشا کے مطابق ہوئی"

چہرہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ اقدس انتہائی خوبصورت اور بارونق تھا بہت پُرگوشت اور بالکل گول نہ تھا۔ بلکہ کسی قدر بیضوی تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر فرماتے تھے "حضور کا چہرہ مبارک ایسا تھا گویا چاند کا ٹکڑا" (خصائص) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "نبی کریم کا چہرہ بالکل گول نہیں تھا۔ بلکہ گولائی لیے ہوئے تھا" (ترمذی) حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں "مسرت آپؐ کی پیشانی سے جھلکتی تھی" حضرت براء بن عازب سے پوچھا "کیا حضورؐ کا چہرہ تلوار کی طرح لمبا اور چمکیلا تھا؟" آپؓ نے فرمایا "نہیں بلکہ چاند کی طرح منور اور خوبصورت" (مسلم) حضرت جابر بن سمرہؓ سے کسی نے پوچھا "کیا حضورؐ کا چہرہ تلوار کی طرح چمکتا تھا؟" آپؓ نے جواباً فرمایا "نہیں ماہ خورشید کی طرح" شمائل ترمذی میں حضرت ھند بن ابی ہالہؓ سے روایت ہے "حضورؐ کی پیشانی کشادہ، ابرو خمدار باریک اور گنجان تھے۔ دونوں کے درمیان ایک رگ کا ابھار تھا۔ جو غصہ آنے پر نمایاں ہو جاتا"

رنگت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ اتنا گورا تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے چاندی سے ڈھالے گئے ہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ آپؐ کا رنگ کھلتا ہوا تھا" خلیفہ چہارم حضرت علیؓ فرماتے ہیں "آپ کی رنگت سفید سرخی مائل تھی" حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں۔ "حضورؐ کی رنگت ایسی تھی گویا آپ کا بدن مبارک چاندی سے ڈھالا ہوا ہے" (شمائل ترمذی) ھند بن ابی ہالہؓ کا فرمان ہے "حضورؐ کا رنگ سفید چمکدار تھا" حضرت ابوالطفیلؓ فرماتے ہیں "سفید مگر ملاحت دار" اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "حضورؐ کی رنگت میں نہ تو چونے کی طرح سفیدی تھی اور نہ ہی سانولا پن بلکہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ گندم گوں تھا۔ جس میں سفیدی غالب تھی" (ترمذی)

دانت

حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک بے انتہا خوبصورت اور انتہائی سچے سفید موتیوں کی طرح روشن تھے۔ نہ تو بہت پیوستہ تھے اور نہ ہی اوپر نیچے چڑھے ہوئے تھے۔ بہترین ترتیب سے دو صفیں قائم تھیں اور سامنے کے دانتوں میں ہلکی سی درز تھی۔ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں "حضورؐ کے دانت سفید چمکدار تھے۔ جب آپؐ منہ کھولتے تو دانتوں سے ایک نور سا

سرکاری مُلازموں کے لیے تحفہ اور ہدیہ لینا حرام ہے

حدیث ابو حمید ساعدیؓ: حضرت ابو حمیدؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو صدقات وصول کرنے پر مقرر کیا۔ جب یہ شخص اپنے کام سے فارغ ہو کر آیا تو اس نے عرض کیا، یارسولؐ اللہ! یہ مال آپ کا ہے اور یہ مجھے بطور ہدیہ ملا ہے۔ آپؐ نے اس سے فرمایا: تم اپنے ماں باپ کے گھر کیوں نہ بیٹھے رہے، پھر دیکھتے کوئی تم کو ہدیہ دیتا ہے یا نہیں؟ پھر آپؐ عشا کی نماز کے بعد کھڑے ہوئے اور آپؐ نے کلمہ شہادت پڑھا اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کی جس کا وہ مستحق ہے، پھر فرمایا: اما بعد! یہ عاملوں کو کیا ہو گیا ہے؟ ہم ایک شخص کو عامل بنا کر بھیجتے ہیں پھر وہ ہمارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے: یہ مال وہ ہے جس کی تحصیل کے لیے مجھے بھیجا گیا تھا اور یہ مال مجھے بطور تحفہ یا ہدیہ ملا ہے وہ آخر اپنے ماں باپ کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا پھر دیکھتا کہ اسے کوئی ہدیہ ملتا ہے یا نہیں؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے! ان عاملوں میں جو شخص خیانت کرے گا قیامت کے دن وہ چوری کیا ہوا مال اپنی گردن پر لادے چلا آ رہا ہو گا اگر اونٹ رچرایا ہو گا، تو اسے اس طرح لاد کر لائے گا کہ وہ بڑبڑا رہا ہو گا اور اگر گائے ہو گی تو وہ چلا رہی ہو گی اور اگر بکری ہو گی تو وہ ممیا رہی ہو گی۔ یاد رکھو! میں نے اللہ کے احکام تم تک پہنچا دیے۔ ابو حمیدؓ کہتے ہیں: یہ ارشاد فرماتے وقت نبی کریم ﷺ نے اپنا دست مبارک اونچا اٹھایا حتیٰ کہ ہم کو آپؐ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔

اخرجہ البخاری فی: کتاب ۸۳ الایمان والنذور: باب ۳ کیف کان یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نکلتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔" (دارمی)

دہن

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دہانہ کشادہ تھا حضرت ہند بن ابی ہالہؓ اور حضرت جابر بن سمرہؓ کا فرمان ہے "حضورؐ کا دہانہ مبارک لطافت کے ساتھ کشادہ اور اعتدال کے ساتھ فراخ تھا۔" (شمائل ترمذی)

رخسار

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار مبارک ہموار اور بالوں سے صاف تھے۔ جب کوئی بات طبیعت پر گراں گزرتی تو سرخ ہو جاتے۔ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا فرمان ہے "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار ہموار اور ہلکے تھے۔ اور نیچے کو ذرا سا گوشت ڈھلکا ہوا تھا۔" (شمائل ترمذی)

ناک

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناک مبارک ستواں اور ایسی خوبصورت تھی کہ پہلی نظر میں بلند اور کھڑی معلوم ہوتی تھی۔ مگر در اصل انتہائی خوبصورت اور چہرے کے متناسب تھی۔ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا فرمان ہے "حضورؐ کی ناک بلندی مائل تھی۔ اس پر نورانی چمک جس کی وجہ سے پہلی نظر میں بڑی معلوم ہوتی تھی۔" (شمائل ترمذی)

آنکھیں اور پلکیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں بڑی بڑی سرگیں تھیں۔ خوب سیاہ سفیدی میں لال ڈورے پڑے ہوئے تھے۔ آنکھوں کے شگاف کشادہ دونوں طرف کے گوشے سرخ تھے۔ حضرت جابر بن سمرہؓ کا فرمان ہے "اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے تو سمجھتے کہ آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا ہے حالانکہ سرمہ نہ لگا ہوتا تھا۔" (ترمذی) اور حضورؐ کی پلکیں بڑی بڑی اور لمبی تھیں۔

گردن

حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن مبارک اونچی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "حضورؐ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن چاندی کی بنی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔"

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن ایسی صاف اور خوبصورت تھی گویا چاندی سے کاٹ کر بنائی گئی ہے۔" (شمائل ترمذی)

ریش مبارک

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک گھنی اور بھاری تھی۔ حضرت

قلب سلیم ہونے کے لیے دو شرائط ہیں۔

اوّل! صحت از امراض۔ قرآن مجید نے قلب کے امراض کفر، شرک، شک اور خواہشات نفسانی کے اتباع کو قرار دیا ہے۔ ان امراض سے صحت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ کسی معالج روحانی سے علاج کرایا جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ قلب کو غذائے روحانی بہم پہنچائی جائے۔ جس طرح غذائے صالحہ سے جسم انسانی صحت مند اور قوی ہو جاتا ہے اسی طرح قلب کی صحت اور قوت کے لیے بھی غذائے صالح درکار ہے۔ مگر قلب کی غذا جسم کی غذا سے مختلف ہے۔ قلب کے لیے غذائے صالح کی نشاندہی یوں کی گئی ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ :-

"سنو! ذکر الٰہی سے ہی قلوب مطمئن ہوتے ہیں۔"

علاج قلب اور غذائے قلب، عارفین کاملین کے بغیر کہیں سے نہیں ملتی۔ (دلائل السلوک)

——— حضرت مولینا اللہ یار خانؒ

ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے "حضورؐ کے بھرپور اور گنجان بال تھے۔" آپؐ کی داڑھی مبارک کنپٹیوں سے حلق تک پھیلی ہوئی تھی۔ اطراف سے بڑھے ہوئے بال تراش دیتے تھے۔ پوری داڑھی سیاہ تھی اور بڑھاپے میں بھی صرف ٹھوڑی مبارک پر گنتی کے چند بال سفید دکھائی دیتے تھے۔

سر اور بال

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک بڑا تھا۔ ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں۔ "نبی کریمؐ کا سر مبارک بڑا مگر اعتدال اور مناسبت کے ساتھ تھا۔" سر کے بال اکثر شانے تک لٹکتے رہتے تھے۔ فتح مکہ میں لوگوں نے دیکھا کہ شانوں پر چار گیسو پڑے تھے۔ آپؐ کے بال نہ بہت

پرپیچیدہ گھونگریالے نتھے۔ اور نہ ہی بالکل سیدھے بلکہ ان میں ہلکی ہلکی لہریں پڑی ہوتی تھیں۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "حضور ﷺ کے بال گنجان تھے اور کبھی کبھی کانوں کی لو تک لمبے اور کبھی کبھی شانوں تک ہوتے تھے" (صحیحین)

آخری حصہ عمر میں بھی تھوڑے سے ہی بال کنپٹیوں پر اور سر میں سفید ہوئے تھے۔ جو تیل لگانے پر نظر نہ آتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالوں میں اکثر تیل ڈالتے تھے اور ایک دن بیچ کنگھی کرتے تھے۔

مانگ

مشرکین عرب بالوں میں مانگ نکالتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ کفار کے مقابلے میں اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے۔ اسلئے ابتدا میں آپ بھی اہل کتاب کی طرح چھوٹے بال رکھتے تھے۔ پھر مانگ نکالنے لگے۔ جب مشرکین کا وجود نہ رہا تو ان کی مشابہت کا احتمال بھی جاتا رہا۔ اس لیے آخری عمر میں مانگ نکالنے لگے۔ (شمائل ترمذی)

قد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قد نہ بہت لمبا تھا نہ بالکل چھوٹا۔ میانہ قدوں سے کچھ نکلتا ہوا۔ لیکن لمبے قدوں کے ہجوم میں بھی نمایاں نظر آتے تھے۔ حضرت براء بن عازب رض فرماتے ہیں "حضور کا قد مائل بہ درازی تھا۔ مجمع میں ہوں تو دوسروں سے قد نکلتا ہوا معلوم ہوتا تھا" (شمائل ترمذی) اور حضرت انس رض کا بیان ہے "آپ کا قد نہ زیادہ لمبا تھا اور نہ پست"

سینہ اور شانے

محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ کشادہ اور فراخ تھا۔ شانوں پر گوشت اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں۔ حضور کے سینے کے بالائی کندھوں اور بازوؤں پر روئیں پھیلے ہوتے تھے خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے "حضرت کے کندھوں کا درمیانی فاصلہ پر گوشت تھا" اور حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "حضور کا سینہ اطہر چوڑا تھا۔ سینہ اور پیٹ برابر تھے اور کندھوں کا درمیانی فاصلہ عام فاصلے سے زیادہ تھا" (شمائل ترمذی)

مہر نبوت

شانوں کے بیچ میں کبوتر کے انڈے کے برابر مہر نبوت تھی۔ یہ بظاہر سرخ ابھرا ہوا گوشت سا تھا۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رض سے روایت ہے "میں نے آنحضرت کے دونوں شانوں کے درمیان خاتم نبوت کو دیکھا تھا جو کبوتر کے انڈے کے برابر سرخ غدہ تھا" ایک روایت میں آتا ہے کہ دونوں شانوں کے درمیان ایک ذرا ابھرا ہوا گوشت کا حصہ تھا۔ جس پر تل اور بال اُگے ہوئے تھے۔

پیٹ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیٹ اور سینہ بالکل برابر تھا۔ حضرت ام معبد رض فرماتی ہیں۔ "پیٹ باہر کو نکلا ہوا نہ تھا" حضور کے سینہ مبارک میں ناف تک بالوں کی ہلکی سی لکیر تھی۔

کلائی اور دست

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کلائیاں لمبی ہتھیلیاں پر گوشت اور چوڑی تھیں۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ رض فرماتے ہیں "آپ کی کلائیاں دراز اور ہتھیلیاں فراخ تھیں اور انگلیاں موزوں حد تک لمبی تھیں"

جلد اور جسم

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کی جلد نہایت نرم تھی۔ حضرت انس رض فرماتے ہیں "میں نے دیبا اور حریر بھی آپ کی جلد سے زیادہ نرم نہیں دیکھے" اور آپ کا جسم مبارک بہت بھرا ہوا تھا۔ لیکن بھدا نہ تھا۔ بلکہ گدازہ، مضبوط، سڈول اور معتدل تھا۔ حضرت علی رض فرماتے ہیں "آپ کا جسم موٹا نہ تھا" حضرت ہند بن ابی ہالہ رض فرماتے ہیں "آپ کا جسم گٹھا ہوا تھا۔ اور اعضا کے جوڑوں کی ہڈیاں بڑی اور مضبوط تھیں" حضور نے عمرہ کرتے وقت اپنے دست مبارک سے ۶۳ اونٹ ذبح کیے۔

قدم

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک لمبے گداز اور بھرے ہوئے تھے۔ انگلیاں موٹی اور تلوے انتہائی صاف ستھرے تھے۔ پاؤں کے تلوے درمیان میں سے ذرا خالی تھے نیچے سے پانی نکل جاتا تھا۔ پاؤں میں انگوٹھے کے بعد والی انگلی باقی انگلیوں سے لمبی تھی۔ پاؤں کی ایڑیاں نازک ہلکی پتلی پتلی اور خوبصورت تھیں۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ رض فرماتے ہیں "آپ کی ہتھیلیاں اور پاؤں پر گوشت تھے۔ تلوے قدرے گہرے اور قدم اتنے چکنے تھے کہ پانی نہ ٹھہرے"

پسینہ اطہر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک میں ایک خاص خوشبو تھی۔ چہرہ انور پر پسینے کے قطرے موتی کی طرح چمکتے تھے۔ حضرت انس رض فرماتے ہیں پیشانی پر

پسینہ ایسے نظر آتا تھا جیسے موتی بکھرے ہوں"۔ اور حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں "حضورؐ جس راستے سے گزر جاتے تھے بعد میں آنیوالوں کو خوشبو سے پتہ چل جاتا تھا کہ ادھر سے حضورؐ تشریف لے گئے ہیں"۔

(صحیحین)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں "مشک وعنبر میں بھی آپؐ کے بدن سے زیادہ خوشبو نہ تھی"۔ عروس مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے "حضورؐ کا پسینہ مشک خالص سے بھی زیادہ مہک رکھتا تھا"۔ (خصائص)۔

یہ تو تھی مختصر ترین تصویر کا خاکہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ نے بیان فرمایا۔ جس طرح نبی کریمؐ اپنی تمام صفات میں بے مثل ہیں۔ اسی طرح اپنے حسن وجمال میں بھی بے مثل ہیں۔

ایک بدوی خاتون اُم معبد جو ابھی تک اسلام نہیں لائیں تھی حضورؐ سفر ہجرت کے دوران اس کے خیمہ میں ٹھہرے تو اس عورت نے آپؐ کے حسن وجمال کا نظارہ کیا۔ تو بعد میں اپنے خاوند کو ان الفاظ میں بتایا "میں نے اس شخص کو دیکھا جس کی نظافت نمایاں جس کا چہرہ روشن اور جس کی بناوٹ میں حسن تھا نہ موٹاپے کا عیب اور دبلاپے کا نقص، خوش رو، حسین۔ آنکھیں کشادہ، لمبی سیاہ پلکیں، آواز میں کھنک، گردن صراحی دار، داڑھی گھنی بھویں کمانی دار اور جڑی ہوئی، خاموشی میں وقار کا مجسمہ، گفتگو میں صفائی اور دلکشی۔ حسن کا پیکر اور جمال میں یگانہ روزگار۔ دور سے دیکھو تو حسین ترین۔ قریب سے دیکھو تو شیریں ترین بھی، جمیل ترین بھی۔ گفتگو میں مٹھاس نہ فضول گفتگو کرتے اور نہ ہی ضرورت کے وقت خاموش رہے۔

گفتگو اس انداز کی جیسے پروے ہوئے موتی۔ ایسا میانہ قد جس میں نہ قابل نفرت درازی نہ حقارت آمیز کوتاہی۔ اس کے ساتھ اس کے کچھ جانثار تھے۔ جو اسے گھیرے رہتے۔ جب وہ بولتا تو سب خاموش ہو جاتے۔ جب کوئی حکم دیتا تو اس کی تعمیل کے لیے ٹوٹ پڑتے۔ سب کا مخدوم۔ سب کا مطاع، ترش روئی سے پاک اور قابل گرفت باتوں سے مبرا"۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (انتخاب حدیث)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسقدر محبت تھی کہ آپؐ کے وصال کی حالت کی تحمل نہ فرما سکے۔ اور صحابہؓ کلا یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ عمر فاروقؓ جیسے بہادر جری اور دلیر انسان فرما رہے تھے "جو شخص یہ کہے کہ حضورؐ وصال فرما گئے ہیں۔ میں اس کی گردن اُڑا دوں گا"۔ حضرت عثمان غنیؓ بالکل گم صم تھے کہ دوسرے دن تک منہ سے بالکل آواز نہیں نکلی۔ چلتے پھرتے تھے، مگر بولا نہیں جاتا تھا۔ خلیفہ چہارم حضرت علیؓ چپ چاپ بیٹھے رہ گئے کہ ہاں کو حرکت تک نہیں ہوتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن انسؓ کا یہ حال ہوا کہ گھلتے اور دبلے ہوتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ اسی رنج میں فوت ہو گئے۔ (المواہب)

اللہ رب کریم نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام محاسن واوصاف کا جامع بنایا تھا اور آپ کو اتنا حسن وجمال عطا فرمایا کہ جسے دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور مشاہدہ کرنے والے کو عالم حیرت میں یہ کہنا پڑتا۔

"ایسا حسین وجمیل نہ تو ان سے قبل دیکھا گیا اور نہ اُنکے بعد"

بعد از خدا بزرگ تُوئی قصہ مختصر۔

صلی اللہ علیہ وسلم

سالانہ چندہ

اکثر ساتھیوں کا سالانہ چندہ ختم ہو چکا ہے وہ مہربانی فرما کر نئے سال کے لیے چندہ جمع کرا دیں تاکہ اُن کو "المرشد" کا اگلا شمارہ بذریعہ وی پی نہ بھیجنا پڑے۔

یہ چند سطور میرے ذاتی مشاہدے پر مبنی ہیں اور خالصتاً میری ذاتی رائے کی عکاسی کرتی ہیں لہذا قاری ماننے پہ مجبور نہیں کہ ہر انسان کو آزادانہ رائے رکھنے کا حق ہے۔

عنوان سے تو پتہ چلتا ہے کہ میں کسی عہدِ رفتہ کی کہانی کہنے چلا ہوں۔ مگر ایسا ہرگز نہیں میرا مقصد آپ کو دورِ حاضر کے فاتحین اور شہنشاہوں، نیز داتاؤں اور مشکل کشاؤں کے ان حالات سے روشناس کرانا ہے جسکا تجربہ ناچیز کو برطانیہ، امریکہ، کینیڈا، ڈنمارک اور ناروے وغیرہ ممالک میں ہوا۔ میرے اندازے کے مطابق ملک میں بہت کم لوگ ان حقائق سے واقف ہونگے۔ بغیر کسی پر طنز کئے اور بلا تنقید جو دیکھا وہ عرض کروں گا اور یہ اجازت چاہوں گا کہ اس صورتحال کے بارے اپنی رائے بھی پیش کروں، وماتوفیقی الا باللہ۔

شہنشاہوں اور فاتحین کی جولانگاہیں

مولانا محمد اکرم

گزشتہ ماہ یعنی جولائی ۱۹۸۸ء کی پانچ تاریخ کو لندن پہنچا۔ وہاں سے بریڈفورڈ گیا۔ آسٹرانڈرلین جمعہ پڑھایا۔ گلاسکو میں جانا ہوا اور پھر لندن سے نیویارک چلا گیا۔ میرا مختصر قیام ۵ سے ۱۳ جولائی تک تھا۔ وہاں علماء و پیرانِ عظام سے کیا فائدہ پہنچ رہا ہے اور مسلمانوں کو کس قسم کی تربیت یا برکات حاصل ہو رہی ہیں۔ یہ بڑی دردناک کہانی ہے اکثر و بیشتر علماء نے برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کو چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بانٹ رکھا ہے۔ جن میں کچھ تو اسلام کے نام پر سیاسی کام بھی کرتے ہیں اور کچھ بغیر سیاست کے صرف مذہب کے نام پر لوگوں کو ایک دوسرے سے متنفر کرتے رہتے ہیں اور مساجد کے اندر ایک دوسرے کو ختم کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں مساجد میں لڑائی ہوتی ہے۔ ایکدوسرے کی داڑھیاں نوچی جاتی ہیں، ڈنڈوں سے سر کھل جاتے ہیں تب برطانوی پولیس مداخلت کرتی ہے اور بیچ بچاؤ کراتی ہے تو کئی بزرگوں کے سر سے خون ٹپک رہا ہوتا ہے۔ ہاتھ میں دوسرے مسلمان کی داڑھی کے بال ہوتے ہیں اور احتجاج کر رہے ہوتے ہیں کہ پولیس جوتے پہن کر مسجد میں داخل ہو گئی اور مسجد کی توہین کر رہی ہے۔

بیچارے کس قدر سادہ ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ جو داڑھی آپ نے نوچی ہے بھلا کس کی سنت تھی۔ کیا یہ توہین نہیں اور پولیس کو مسجد میں کون لایا؟ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک ارشاد کا مفہوم ہے۔ والدین کو گالی مت دو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کوئی بدبخت والدین کو گالی بھی دے گا؟ فرمایا جو کسی کو گالی دیتا ہے اور جواباً وہ اس کے والدین کو گالی دیتا ہے

یہ ایسا ہی ہے کہ خود اس نے گالی دی۔ اب سوچیئے اس حدیث پاک سے صاف واضح ہے کہ لڑائی کرنیوالے پولیس کو مسجد میں لانے کے ذمہ دار ہیں یا نہیں۔ مگر وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ایک مولانا خود کو مواحد اور دوسروں کو مشرک قرار دیکر اپنے معتقدین یا اپنے مقتدیوں کو حکم دیتے ہیں کہ ان مشرکوں کو مسجد سے نکال دو واللہ تم سے تب راضی ہوگا ورنہ تمہاری عبادت بھی قبول نہ ہوگی۔ ادھر دوسری طرف کے مولانا کا فتویٰ ہوتا ہے کہ یہ گستاخانِ رسالت ہیں۔ ظاہر ہے ایسا شخص مسلمان تو نہ رہے گا۔ پھر حکم ہوتا ہے۔ جب تک ان کو مساجد سے نکال باہر نہیں کرتے ہو، تمہارا صلاۃ و سلام بھی قبولیت سے مشرف نہ ہوگا۔ بس جھڑپ ہو جاتی ہے، مساجد کو تالے لگتے ہیں مقدمہ عدالت میں جاتا ہے اور جو پارٹی جیت جاتی ہے اس کا مولوی فاتح کہلاتا ہے۔

میں یہاں ایک فاتح اعظم صاحب کی ادھوری داستان ضرور عرض کرنا چاہوں گا جو کبھی سرگودھا میں ہوا کرتے تھے اور ایک بہت بڑی مسجد کی بنیاد رکھی تھی۔ جو آج بھی بفضل اللہ پوری شان و شوکت سے ایستادہ ہے جہاں کبھی کمپنی باغ ہوا کرتا تھا۔ لاکھوں روپے جمع ہوئے، بنیادیں بھری گئیں، چند فٹ دیواریں بھی اٹھیں اور پھر لڑائی ہو گئی۔ کس کس میں ہوئی؟ مولانا اور ان کی کمیٹی کے ارکان میں غالباً، چندے پہ ہی بات بڑھی تھی جو اس وقت لاکھوں میں تھا جب پاکستان میں لاکھوں کی بات کرنا آسان نہ تھا مسجد بند ہو گئی، مقدمہ عدالت میں زیر سماعت رہا۔ مدتوں کیس چلا مگر وہ چندہ پھر مسجد کو نہیں ملا جو جس کے پاس تھا اسی کا ہو گیا مسجد محکمہ اوقاف نے لے لی کہ ساتھ دکانیں بہت تھیں۔ مولوی صاحب برطانیہ چلے گئے۔ خوش الحان بھی تھے، شعر بھی اچھے سے اچھے ازبر، لوگوں کو پسند آ گئے، ٹھہرا لیے گئے۔ اب سوال اٹھا کر بچے منگوائے جائیں۔ ویزہ لینا چاہا تو حکومت برطانیہ نے شرط عائد کر دی کہ آمدن کم از کم ایک سو ستر پونڈ ہونی چاہیے تاکہ اتنے کنبے کی کفالت کر سکے۔ اور غالباً وہاں آمدن ہفتہ وار شمار ہوتی ہے یہ کوئی پانچ ہزار کے قریب روپے بنتے ہیں۔ اتنی تنخواہ مولوی صاحب کو کون دے سکتا تھا۔ آخر طے پایا کہ مسجد کمیٹی لکھ کر دیدے کہ ۱۷۰ پونڈ تنخواہ دے گی، چاہے دیتی وہی رہے جو پہلے سے مقرر ہے، جو بہت کم تھی۔ مگر قانونی تقاضے پورے ہو جائیں۔ لہٰذا یہ سب کچھ ہو گیا اور حضرت کے بچے بھی چلے گئے۔ اگلا قدم گیارہویں شریف سے شروع ہوا۔ جن لوگوں نے چندے میں پونڈ نہ دیئے وہ وہابی کر کے نکالے گئے اور یوں پہلی مرتبہ اس قصبے میں مسلمانوں میں باہم جھگڑے کی بنیاد پڑی جو اب تک بدستور چل رہا ہے۔ اب سولہ سال بعد مولوی صاحب نے جی بھر کر لوٹنے کے بعد مسجد کمیٹی پہ دعویٰ کر دیا ہے کہ انہوں نے جو لکھ کر دیا تھا اسکے مطابق تنخواہ نہیں دی۔ بلکہ پچاس ساٹھ پاؤنڈ دیتے رہے مجھے سولہ سال کا بقایا دلوایا جائے۔ اور خود امریکہ تشریف لے گئے۔ نیوجرسی کی مسجد میں تشریف فرما تھے کہ راقم کو حاضری نصیب ہوئی تو آٹھ یا دس مسلمان جمع ہوئے ہوں گے جنہیں مولانا خطاب فرما رہے تھے "او انبی کو اپنے جیسا بشر سمجھنے والو" اور اشتہار لگا ہوا تھا "شہنشاہِ خطابت فاتح اعظم" واقعی بہت بڑے فاتح ہیں کہ پاکستان سے شروع ہو کر امریکہ تک سینکڑوں مسجدیں فتح کر لیں۔ یہاں آکر پتہ چلانے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ سرگودھا والی مسجد کے پہلو میں اوقاف کی ملی بھگت سے جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور فتح کے مال غنیمت سے بہت شاندار مارکیٹ بنا رہے ہیں۔

یہ ایک نمونہ ہے۔ ورنہ ہر فاتح کسی نہ کسی مسجد کا فاتح ہے اور ہر شہنشاہ باتوں کا شہنشاہ ہے۔ رہی سہی کسر پیران عظام پوری فرما رہے ہیں۔ صرف دولت پر بس نہیں کرتے بلکہ عزت و آبرو بھی ان کا کھلونا ہے۔ گلاسکو سے ایک پیر صاحب مرید کی بیوی لیکر پاکستان چلے آئے۔ تو سادہ لوح مسلمان نے لکھا۔ "مجھے پتہ ہے آپ نے یہ حیلہ اس لیے کیا ہے کہ ہم آپ کا دامن چھوڑ دیں، مگر ہم نہ چھوڑیں گے۔ ورنہ پھر ہماری مشکلات کا حل کہاں سے آئے گا اور مصائب میں کس کی پناہ لیں گے۔ آپ اگلے سال بھی حسب سابق ضرور آئیے"۔ چنانچہ سال بعد تشریف لے گئے اور عقیدت مند کی اہلیہ محترمہ کو بھی واپس ساتھ لے گئے۔

یہ ایک پہلو ہے۔ دوسرا پہلو ان لوگوں کا ہے جو دیندار ہیں، نیک ہیں مگر یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کے علاوہ کوئی دوسرا بھی اس نیک کام میں ان کا ہاتھ بٹائے۔ غالباً انانیت کا شکار ہو چکے ہیں۔ اور سادہ ہیں، نہ حالات کی خبر ہے نہ تجزیہ کرنے کا شعور۔ راقم کو مین ہیٹن (MAN HATEN) میں ایک مسجد کے خطیب نے دعوت دی۔ وہاں تبلیغی جماعت کے دوست اکثر تشریف لے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک مولوی صاحب گئے ہوئے تھے وہ بروک لین (BROK LYN) میں مقیم تھے۔ انہیں پتہ چلا تو فوراً پہنچے مگر انگریزی سے نابلد تھے۔ لہٰذا کوینز QUEENS سے مترجم منگوایا اور جیسے نماز ختم ہوئی نوافل چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ عشاء تک دم نہ لیا، مقصد صرف یہ تھا کہ کوئی اور بیان نہ کر سکے اپنا کیا ہے۔ ہم تو انہیں کو سنتے رہے مگر دکھ ضرور ہوا۔ اس بات کا نہیں کہ مجھے بولنے کا موقع کیوں نہیں دیا بلکہ اس بات کا کہ انہیں بولنا نہ آتا تھا۔

وہاں سامنے وال سٹریٹ (WALL STREET) ہے جہاں دنیا کی معیشت کنٹرول ہوتی ہے۔ وہاں مولانا صحابہ کی عظمت یوں بیان کر رہے تھے کہ اصحاب صُفّہ میں سے ایک صحابی صلوٰۃ حاجت کے لیے جنگل کو گئے تو دو چوہے لڑ رہے تھے انہوں نے چادر پھینکی ایک چوہا بھاگ گیا مگر ایک نیچے آ گیا اور دکھڑا گیا۔ دوسرا بل سے باہر آیا اور منت سماجت کرنے لگا کہ میرے بھائی کو چھوڑ دیں۔ پہلے لڑ رہا تھا اب غمخوار بن گیا۔ مولوی صاحب نے ہاتھ باندھ کر دکھائے کہ اسطرح ہاتھ باندھ کر عرض کر رہا تھا مگر صحابی نہ مانے۔ وہ بل میں چلا گیا اور ایک اشرفی لے آیا۔ وہ پھر بھی نہ مانے، وہ چوہا پھر گیا ایک اور اشرفی لے آیا انہوں نے نہ مانا۔ مترجم انگریزی میں بتا تا جا رہا تھا مگر یہاں پہنچ کر وہ بھی کہنے لگا THIS BROTHER SAYS RAT WENT AGAIN کہ یہ بھائی کہتا ہے چوہا پھر گیا یعنی مجھے اس بات کا ذمہ دار نہ بنا لینا۔ یہ کہتا ہے۔ لہٰذا سترہ یا اٹھارہ اشرفیاں لایا تب بھی وہ نہ مانے، پھر گیا اور خالی تھیلی لے آیا کہ اب ختم ہو چکی ہیں۔ تب جا کر انہوں نے چھوڑا۔ ایک طرف تو دنیا و مافیہا کو چھوڑ کر صُفّہ میں رہائش پذیر تھے۔ دوسری جانب چوہوں پر اتنی سختی فرمائی۔ پھر انہوں نے یہ قصّہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تو فرمایا یہ اللہ کا رزق تھا۔

یہ معاشی حل تجویز کیا جا رہا تھا اور یہ صحابہ کا کردار بیان ہو رہا تھا جنھوں نے بڑی بڑی سلطنتیں تہ و بالا کر کے عدل و انصاف قائم کر دیا۔ روم و ایران کے فاتحین کو چوہوں سے رزق چھینتے دکھایا جا رہا تھا اور ہم یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ اللہ ہم سب کو معاف فرمائے اور ان سادہ لوح لوگوں کو مسلمانوں کی ہدایت کا سبب بنائے۔

اچھے لوگ بھی ملے، سرگودھا کے کچھ لوگ تبلیغی دورہ پر تھے پڑھے لکھے اور جہاں دیدہ۔ اگر ایسے ہی لوگ ان ملکوں میں جائیں تو بہت فائدہ ہو سکتا ہے۔ مگر تبلیغ کے اکابرین کی اپنی پالیسی ہے کہ سندھی جاننے والے سرحد اور پشتو بولنے والے کو سندھ روانہ فرما دیتے ہیں۔ شاید یہ انکا طریق تربیت ہو! بہرحال یہی حال کینیڈا میں نظر آیا۔ عید پہ تفرق، رمضان پہ جھگڑا اور "یا رسول اللہ" کہنا ہے۔ ہم نہیں کہنے دیں گے اور ساتھ پیر صاحب کا بوجھ فالتو اٹھانا پڑ گیا۔ یہ کیوں؟ یہ صرف مشکلات کا حل ہے۔ اگرچہ بجائے خود ایک بہت بڑی مشکل ہے۔ ڈنمارک میں چند مسلمان شراب بیچتے ہیں۔ بھئی یہ کیوں؟ جی ہمارے حضرت نے فرمایا ہے تم بوتل بیچ سکتے ہو۔ اس کے اندر خواہ کچھ بھی بند ہو تمہیں کیا۔ ہاں کھول کر مت بیچنا کہ شراب حرام ہے!" لوکر لوگل "یہ مسلمانوں کا ایک بہت پڑھا لکھا طبقہ ان حرکات سے متنفر ہو کر مذہب ہی سے بغاوت کر چکا ہے۔ آئندہ نسل ویسے ہی مغرب میں جذب ہونے کو ہے کہ تعلیم ان کی، غذا ان کی، معاشرہ ان کا۔ وہ اس سارے عمل سے نکل کر مشرقی اقدار کے حامل بنیں گے؟ یہ خود فریبی ہے۔ ہاں بعض جگہوں پر نیک دل مسلمانوں نے کچھ تنظیمی کام شروع کیا ہے جس میں مساجد کا اہتمام، درس قرآن، اتوار کو بچوں کو دینی تعلیم اور یہ سارا کام رضاکارانہ طور پہ ہوتا ہے، لوگ اپنا اپنا کام کرتے ہیں تنخواہ وہاں سے لیتے ہیں وقت مساجد کو بھی دیتے ہیں۔ شاید اسطرح کوئی بہتری کی سبیل پیدا ہو جائے۔

ساتھ ہی ساتھ مختلف جماعتیں بھی سرگرم کار ہیں۔ جن کے اپنے مخصوص سیاسی نظریات ہیں اور انہیں اپنے سیاسی نظریات کی تبلیغ کے لیے ان مسلمانوں سے پاؤنڈ اور ڈالر چاہئیں۔ اس سے زیادہ ان کو مسلمانوں کی بھلائی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہاں لوگوں کو بانٹنے اور تقسیم کرنے میں ان کا بھی ایک خاص کردار ہے۔

آپ حیران ہوں گے۔ میرے پاس ناروے کے کچھ لوگ ٹھہرے جو پاکستان کی سیاحت پر تھے۔ اللہ نے انہیں اسلام سے نوازا۔ وہ شمالی ناروے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ ناروے میں

امام عادل کی فضیلت اور حاکم ظالم کے لیے عذاب۔ رعیت کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنے کی تلقین اور لوگوں کو مشقت میں ڈالنے کی ممانعت:

حدیث عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، تم میں سے ہر شخص پاسبان اور نگران ہے اور اسی بنا پر اس کی رعیت کے بارے میں اس سے باز پرس ہوگی چنانچہ جو شخص لوگوں کا حاکم ہے وہ ان کا نگران اور ان کی حفاظت کا ذمہ دار ہے اور اس سے لوگوں اور ان کے امور و معاملات کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی اور ایک عام شخص بھی اپنے گھر والوں کا نگران و محافظ ہے اور اس سے بھی ان کے بارے میں باز پرس ہوگی اسی طرح عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران اور ان کے مصالح کی محافظ و ذمے دار ہے اور اس سے ان کے سلسلہ میں پوچھ گچھ ہوگی اور غلام اپنے آقا کے مال کا محافظ و نگران ہے اور اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا لہذا یاد رکھو تم میں سے ہر شخص نگران اور ذمہ دار محافظ ہے اور اپنی اپنی رعیت کے بارے میں مسؤل و جواب دہ ہے۔

اخرجہ البخاری فی: ۴۹ کتاب العتق: باب کراھیۃ التطاول علی الرقیق

وہ پہلے مسلمان ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی اسلام کا نام نہیں سنا۔ چنانچہ اب بھی وہ یہاں سے مسائل کا حل طلب کیا کرتے ہیں اس بار ناروے سے پتہ کروایا تو اپنے پیرانِ عظام میں سے ایک بہت بڑی شخصیت تشریف فرما تھی اور سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان کے علماء و مشائخ نے اٹھانوے تنظیمیں وہاں رجسٹرڈ کروا رکھی ہیں جنہیں وہاں کی حکومت سالانہ امداد مہیا کرتی ہے۔ جن میں سے ایک مولوی صاحب جو ذرا کم حصہ پاتے ہیں۔ پاکستانی سکے کے اعتبار سے چار لاکھ روپے سالانہ وصول کرتے ہیں۔ مگر نہ وہاں اللہ کا نام لیتے ہیں اور نہ یہاں کسی پہ ظاہر ہونے دیتے ہیں۔ میں تو یہ سوچتا رہا کہ جب یہ بوڑھے مرجائیں گے نئے لوگ مغرب کی تہذیب میں جذب ہو جائیں گے تو ان کی خدمت کون کرے گا۔ اللہ کے لیے نہ سہی دین کے لیے نہ سہی کچھ اپنی ضرورت کے لیے سہی۔ مگر ان حضرات کو بھی سوچنا چاہیئے۔ میں نہایت ادب اور معذرت سے عرض کروں گا کہ میرا یہ یقین ہی نہیں عقیدہ ہے کہ علماء و مشائخ میں ہی ایسے عالی ہمت، عالی نسب لوگ موجود ہیں اور رہیں گے جو تعلیمات نبوی اور برکات نبوی کے امین ہیں اور وہی ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں۔ لیکن میدان اکثریت ان احباب کی ہے جن کا تذکرہ اوپر ہو چکا، جو بار بار صرف مساجد کو فتح کرتے ہیں۔ جو دوسروں کو گیارہویں شریف دینے کے فضائل بتاتے ہیں مگر خود صرف لیتے ہیں۔ زندگی بھر دینے کی نیکی کبھی نہیں کرتے جو دنیا کا کوئی کام کیے بغیر ٹھاٹھ سے رہتے ہیں۔ لوگوں کو رزق حلال کی تلقین کے ساتھ خود کبھی حلال کمانے کا تکلف نہیں کرتے۔

اسلام ایک عالمگیر حقیقت کا نام ہے جو ہر مسلمان کی پوری زندگی کا نصاب عطا فرماتا ہے۔ ہمیں خود اسلام کو پڑھنا اور سمجھنا ہوگا، ہمیں خود اس کو اپنانا ہوگا کہ یہ صرف مولوی کا مذہب نہیں، صرف پیر کا مذہب نہیں، یہ میرا، آپ کا اور ہم سب کا مذہب ہے اور ہم سب پر اس کی حفاظت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

علماء کی فضیلت مسلم مگر اس وقت جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے ہمیں بہرہ ور فرمائیں، مشائخ کی عظمت بسر و چشم قبول مگر اس وقت جب وہ برکات نبوی سے ہمارے سینے روشن کریں۔

اگر ان حضرات سے یہ فیوضات حاصل نہ ہوں تو دوسرا کوئی فائدہ ان کی ذات سے وابستہ کرنا اسلام نہ ہوگا۔ بلکہ عین ممکن ہے خلافِ اسلام کوئی قدم یا عقیدہ قرار پا لے۔

ہماری بدقسمتی یہ بھی ہے کہ نیک اور دیندار طبقہ نے معاشرے کی بے راہ روی سے منہ موڑ کر عزلت کی زندگی اختیار کر لی ہے مگر کیا یہ معاشرے کی خرابی کا علاج ہے؟ یا اسے مزید کھل کھیلنے کا موقع دینے کے مترادف ہے؟ لہٰذا عام مسلمانوں سے میری دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ صرف اسلام کو اپنائیں، خالص اور کھرا اسلام، تمام رسومات اور اوہام سے پاک اسلام۔ ایسے لوگوں کی مجلس اختیار کریں جہاں سے علم کا نور میسر ہو، قلبی روشنی حاصل ہو۔ اگر کہیں سے یہ دونوں نعمتیں یکجا ملیں تو بقول عارف رومیؒ

چنیں مردے کہ یابی خاکِ او شو
اسیرِ حلقۂ فتراکِ او شو

اللہ کریم ہماری عاجزانہ کوششوں کو قبول فرمائے۔ آمین

فقیر محمد اکرم عفی عنہ
دارالعرفان ۱۱-۱۰-۸۸ء

کراماتِ اولیاء — محترمہ محمودہ عثمان حیدر

1932

بیسویں صدی کا معجزہ

سلمان پاک بغداد سے ۳۰ میل کے فاصلے پر ہے یہاں تک تک موٹریں آتے جاتے ہیں۔ اب تو یہ کوئی پانچ سو گھروں کی چھوٹی سی بستی ہے یہ وہ مقدس مقام ہے جہاں اکثر صحابہ رضؓ گورنر کی حیثیت سے رہ چکے ہیں اس کا قدیمی نام مدائن تھا جو مدتوں عراق عجم کا دارالسلطنت رہ چکا ہے یہ وہی مدائن ہے جو دجلہ کے مشرقی کنارے پر آباد تھا اور جب دَورِ فاروقی میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کی فوجیں دجلہ کے دائیں کنارے پر بہرشیر پہنچیں۔ جو دراصل مدائن کا دائیں والا حصہ تھا، تو اس وقت دجلہ عبور کر کے مدائن پر حملہ آور ہونے کا سوال پیدا ہوا۔ معلوم ہوا کہ یزدگرد کے حکم سے پل جلا دیا گیا ہے اور ایرانی محافظ کشتیوں میں سوار ہو کر مدائن فرار ہو گئے تھے تاکہ دجلہ کا چوڑا پاٹ اور تیز و تند موجیں ایک قدرتی قلعے کا کام دیں۔ مجبوراً غازیانِ اسلام دجلہ کے کنارے آ کر کھڑے ہو گئے مدائن کا عظیم الشان شہر اپنے تمام جاہ جلال کے ساتھ اُن کی نگاہوں کے سامنے تھا یہ جس وقت وہاں پہنچے نصف شب گزر چکی تھی۔ بیچ میں دجلہ کی تیز و تند موجیں اُن کی راہ روکے کھڑی تھیں اور سامنے دوسرے کنارے پر نوشیرواں کا قلعہ سپید رات کے چھٹتے اندھیرے میں دعوتِ نظارہ دے رہا تھا۔ بادیہ نشینانِ عرب نے ایسی بلند اور عظیم الشان عمارت آج سے قبل نہ دیکھی تھی مارے حیرت کے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے

بڑے تردّد اور سوچ بچار کے بعد حضرت سعدؓ نے اللہ کی نصرت اور اُس کی تائید پر پورا پورا بھروسہ کرتے ہوئے اللہ تعالے سے دُعا کی اور پھر لشکر سمیت دجلہ میں اتر گئے۔ دریا کا پاٹ غازیانِ اسلام سے کھچا کھچ بھر گیا دریا میں حدِ نظر تک آدمی اور گھوڑے نظر آرہے تھے پانی اُن کے قدموں میں دکھائی نہ دیتا تھا۔ اور پھر وہ سب پانی میں اس طرح آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے جس طرح خشکی میں باتیں کرتے ہیں۔

دریا میں حضرت سعدؓ کے ساتھ حضرت سلمان فارسیؓ بھی تھے حضرت سعد نے کہا

"خدا کی قسم! اللہ اپنے دین کو یقیناً غالب کرے گا اور اپنے دشمنوں کو شکستِ فاش دے گا، بشرطیکہ لشکر سے کوئی ایسا گناہ نہ سرزد ہو جائے جو نیکیوں کو ضائع کروا دے"۔

حضرت سلیمان فارسی نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم! مسلمانوں کے لیے زمین کی طرح دریا بھی پامال کر دیئے گئے ہیں۔ قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں سلمان کی جان ہے، یہ جس طرح دریا میں اُترے ہیں، اُسی طرح بخیر و عافیت دریا سے پار ہوں گے"۔ اور ایسا ہی ہوا۔

تمام لشکر صحیح سلامت دریا کے پار ہو گیا ایرانیوں نے ایسا نظارہ کب دیکھا تھا! وہ یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ اور دیواں آمدند، دیواں آمدند (دیو آگئے، دیو آگئے) چلاتے ہوئے فرار ہو گئے۔ مدائن پر مسلمانوں کو تسلط حاصل ہو گیا۔

مدائن کا یہی تاریخی شہر گھٹتے گھٹتے اب ایک چھوٹا سا قصبہ رہ گیا ہے نوشیرواں عادل کے محلات کے آثار جن میں طاقِ کسریٰ شامل ہے انہیں دیکھنے اکثر دور دراز ممالک سے سیّاح آتے رہتے ہیں۔ یہاں چند قہوہ خانے بھی ہیں اور ایک شاندار مقبرہ بھی۔ جس میں زیرِ گنبد حضرت سلمان فارسیؓ کا مزار ہے دو ملحق جدید طرز کے بنے ہوئے کمروں میں علیحدہ علیحدہ حضرت حذیفہ الیمانیؓ اور حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری صحابہ رسولؐ کے مزارات ہیں۔ دائیں طرف، قدرے فاصلے پر دریائے دجلہ عجب شان سے بہہ رہا ہے۔

صحابہ کرام کے مزارات، شاہ فیصل اوّل کے دور میں، ان کی دوبارہ تدفین کے بعد بنوائے گئے، ہیں پہلے یہ دونوں سلمان پاک سے دو فرلانگ پر ایک غیر آباد جگہ دفن تھے شاید ہی کوئی کبھی کبھار فاتحہ پڑھنے چلا جاتا۔ لوگوں کو اتنا معلوم تھا کہ یہ دو صحابہؓ کے مزار ہیں، وہاں جاتے اور فاتحہ پڑھتے کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ اگر کسی کا بہت دل چاہا تو اس نے سلمان پاک ہی سے فاتحہ خوانی کر دی۔ ہماری خوش قسمتی سے ہمارے قیام بغداد میں ان دونوں کو پرانے مزارات سے نکال کر مقبرہ سلمان پاک میں دفن کیا گیا۔

یہ واقعہ، جس کی شہادت ہمارے علاوہ لاکھوں افراد دے سکتے ہیں، اسلام کی صداقت کا ایک زندہ ثبوت ہے

واقعہ یوں ہے کہ حضرت حذیفہ الیمانیؓ نے خواب میں ملک فیصل بادشاہ عراق سے خواہش ظاہر کی کہ ہم دونوں کو اصل مقام سے منتقل کر کے دریائے دجلہ سے ذرا فاصلے پر دفن کر دیا جائے کیونکہ میرے مزار میں پانی اور (حضرت) جابرؓ بن عبداللہ کے مزار میں نمی آنی شروع ہو گئی ہیں۔

امور سلطنت میں انہماک کے باعث شاہ عراق ملک فیصل دن کے وقت یہ خواب بالکل ہی بھول گئے دوسری شب انہیں پھر ارشاد ہوا اور اگلی صبح وہ پھر بھول گئے تیسری شب حضرت حذیفہ الیمانیؓ نے عراق کے مفتی کو خواب میں اسی غرض سے ہدایت دی کہ اور یہ بھی فرمایا کہ ہم دو راتوں سے بادشاہ سے برابر کہہ رہے ہیں لیکن وہ مصروفیت کے باعث بھول جاتا ہے اب یہ تمہارا فرض ہے کہ اُسے اس طرف توجہ دلاؤ۔ اس سے کہہ کر ہمیں موجودہ قبروں سے منتقل کرانے کا فوری بندوبست کراؤ۔

مفتی اعظم نے اگلے روز صبح ہی صبح وزیر اعظم نوری السعید کو فون کیا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں بغرض کہ نوری السعید سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے سارا ماجرہ کہہ سنایا، نوری السعید نے بادشاہ سے اُن کی ملاقات کا فوری بندوبست کیا اور وہ خود بھی ہمراہ گئے۔ مفتی صاحب نے اپنا خواب بیان کیا۔ تو بادشاہ نے کہا بے شک میں نے بھی دو رات متواتر انہیں خواب میں دیکھا ہے۔ بہت اچھا ہوا آپ تشریف لے آئے اب آپ ہی بتائیں کیا کرنا چاہیئے۔؟

مفتی اعظم نے کہا وہ صاف الفاظ میں کہہ رہے ہیں کہ ہم دونوں کو وہاں سے نکال کر دریا سے ذرا فاصلے پر کہیں دفن کر دو۔ اب اس سے زیادہ واضح بات اور کیا ہو سکتی ہے۔؟

شاہ فیصل نے کہا میرا خیال ہے کہ بطور احتیاط پہلے سے اس کی تصدیق کرالی جائے کہ آیا دریا کا پانی اس طرف آ بھی رہا ہے یا نہیں۔ مفتی اعظم اس پر رضامند ہو گئے

عراق کے محکمہ تعمیرات عامہ کے چیف انجینئر کو شاہی فرمان جاری ہوا کہ مزارات سے دریا کے رُخ پر ۲۰ فٹ کے فاصلے پر ڈرلنگ کرا کے معلوم کیا جائے کہ آیا دریا کا پانی اس طرف رس رس کر آ رہا ہے یا نہیں اور شام تک رپورٹ پیش کر دی جائے۔ تمام دن جگہ جگہ کھدائی کی گئی لیکن پانی تو درکنار ریت کے نیچے سے مٹی نکلی اُس میں نمی تک نہ تھی مفتی اعظم تمام دن وہیں موجود رہے انہیں بڑی مایوسی ہوئی شام کے وقت بادشاہ کو اطلاع دے دی گئی۔

اُس رات حضرت حذیفہ الیمانیؓ نے پھر خواب میں بادشاہ کو تاکید کی کہ ہمیں ہٹاؤ اور جلدی کرو۔ دریا کا پانی ہمارے مزارات میں جمع ہونا شروع ہو گیا ہے بادشاہ کو چونکہ رپورٹ مل ہی چکی تھی اُس نے خواب کو نظر انداز کر دیا۔ اگلے روز حضرت حذیفہ الیمانیؓ مفتی اعظم کے خواب میں تشریف لائے اور سختی سے کہا ہمیں یہاں سے جلد از جلد منتقل کرو۔ پانی ہے کہ ہمارے مزارات میں گھستا چلا آ رہا ہے۔ مفتی اعظم صاحب صبح ہی صبح ہراساں پریشان، قصر شاہی میں پہنچے اور بادشاہ کو پھر اپنے خواب سے مطلع کیا۔

بادشاہ جھلا اُٹھا۔ اس نے کہا مولانا آپ خود ہی سوچیئے میں کیا کر سکتا ہوں۔ وہاں آپ تمام دن رہے اور کارروائی بھی آپ کے سامنے ہوتی رہی۔ ماہرین ارضیات کی رپورٹ بھی آ چکی ہے کہ پانی تو درکنار وہاں نمی بھی نہیں چنانچہ مجھے پریشان کرنے اور خود پریشان ہونے سے کیا فائدہ۔ جائیے آرام کیجئے

مفتی اعظم نے کہا بے شک ساری کارروائی میرے سامنے ہوئی اور جو رپورٹ آئی وہ بھی میرے علم میں ہے لیکن آپ کو اور مجھے متواتر حکم ہو رہا ہے اخواہ کچھ بھی ہو، آپ مزارات کھلوا دیجئے

شاہ عراق نے کہا بہت اچھا آپ فتویٰ دے دیجئے۔

مفتی اعظم نے صحابہ کرامؓ کے مزارات کھولنے کا اور انہیں وہاں سے منتقل کرنے کا وہیں بیٹھے بیٹھے فتویٰ دے دیا۔

چنانچہ یہ فتویٰ اور شاہ عراق کا فرمان اخبارات میں شائع کر دیا گیا کہ بروز عید قربان بعد نماز ظہران صحابہ کرام رض کے مزارات کھولے جائیں گے۔

اخبارات میں فتویٰ اور فرمان کا چھپنا تھا کہ تمام دنیائے اسلام میں جوش خروش پھیل گیا۔ رائٹر اور دیگر خبر رساں ایجنسیوں نے یہ خبر تمام دنیا میں عام کر دی۔ حج کے موقع پر تمام دنیا کے مسلمان مکہ معظمہ آئے ہوئے تھے انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ مزارات عید قربان سے کچھ روز بعد کھولے جائیں تاکہ ہم بھی شرکت کر سکیں۔ ادھر ایران، ترکی، مصر، شام لبنان فلسطین، حجاز، بلغاریہ، شمالی افریقہ، روس، پاک و ہند سے شاہ عراق کے نام تاروں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا کہ جنازوں میں شرکت کرنا چاہتے ہیں براہ کرم کچھ روز کی مہلت دیجئے۔

ایک طرف تمام دنیائے اسلام کا پیہم اصرار اور دوسری طرف خوابوں میں عجلت کی تاکید، سوال یہ پیدا ہوا کہ اگر پانی مزارات میں واقعی رس رہا ہے تو اس رسم کو ملتوی کرنے سے مزارات کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ مفتی اعظم کے مشورے سے دریا کے رخ پر ۲۰ فٹ کے فاصلے پر احتیاطاً ایک طویل گہری خندق کھدوا کر سیمنٹ اور بجری بھروا دی گئی۔

ساتھ ہی دوسرا فرمان جاری ہوا جس میں کہا گیا کہ مسلمانان عالم کی خواہش پر اب یہ رسم عید قربان کے دس روز بعد ادا کی جائے گی۔ مدائن جیسا چھوٹا سا کم آباد قصبہ اُن دنوں دس روز کے اندر ہی اندر آبادی اور رونق کے لحاظ سے دوسرا بغداد بن گیا۔ بستی کے تمام مہمان خانے، مہمانوں اور مسلمانوں سے کچھا کھچ بھر گئے۔ گلیوں، کوچوں، بازاروں میں ہجوم کی یہ کثرت تھی کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ میدان، صحرا دور دور تک ڈیرے خیموں سے پٹ گئے۔ جگہ جگہ سفری قہوہ خانے، ہوٹل، سرائے وغیرہ قائم ہو گئے۔ شاہی لنگر خانہ اُن پر مستزاد تھا۔

اس موقع پر حکومت عراق نے خاص طور کسٹم کی تمام تر پابندیاں ختم کر دیں۔ پاسپورٹ کی قید بھی باقی نہ رہی۔ شاہی فرمان کے ذریعے یہ عام اعلان کرا دیا۔ باہر سے آنے والوں میں حجاج کی کثرت تھی جن کے پاس باقاعدہ پاسپورٹ تھے۔

ان کے علاوہ ترکی اور مصر سے اس موقع پر خاص سرکاری وفود آئے۔ صحابہ کرام رض کو سلامی دینے کی غرض سے اُن کے ساتھ اپنے اپنے ملکوں کا سرکاری بینڈ آیا۔ مصطفیٰ کمال اور جمہوریہ ترکی کی نمائندگی ایک وزیر مختار نے کی۔ مصری وفد میں علما اور وزرا کے ساتھ سابق شاہ فاروق والیٔ مصر نے جو اُس وقت کے ولی عہد تھے۔ رئیس وفد کی حیثیت سے شرکت کی۔

دونوں مزارات کے گرد بہت گہری اور دور تک پہلے ہی کھدائی کرائی گئی تھی۔ ایک طرف سے مزارات کی سمت ڈھلوان رکھی گئی تھی تاکہ کرین کا پھل جو پھاؤڑے کے پھل سے مشابہ تھا ڈھلان کی طرف آکر مزار کا فرش کاٹتا ہوا، نعش ہائے مبارک کو زمین پر سے اٹھائے کرین کے پھل پر اسٹریچر پہلے ہی کس دیا گیا تھا تاکہ نعش مبارک کو تابوت کے اندر لے جانے میں سہولت رہے۔

مدائن ایک بار پھر آباد ہو گیا اس موقع پر انتہائی محتاط اندازے کے مطابق ۵ لاکھ اشخاص نے شرکت کی جن میں ہر ملک، ہر مذہب، ہر فرقے اور ہر عقیدے کے لوگ شامل تھے۔

آخر کار وہ دن بھی آ گیا جس کی آرزو میں لوگ جوق در جوق سلمان پاک میں جمع ہو گئے تھے دوشنبے کے دن ۱۲ بجے لاکھوں نفوس کی موجودگی میں مزارات کھولے گئے حذیفہ الیمانی کے مزار میں کچھ پانی آ چکا تھا اور حضرت جابر رض کے مزار میں نمی پیدا ہو چکی تھی حالانکہ دریائے دجلہ وہاں سے کم از کم دو فرلانگ دور تھا۔ سفرائے دول، عراقی پارلیمنٹ کے اراکین اور شاہ فیصل کی موجودگی میں پہلے حضرت حذیفہ الیمانی رض کی نعش مبارک کرین کے ذریعے زمین سے اس طرح اوپر اٹھائی گئی کہ اسٹریچر کو علیحدہ کرتے پر خود بخود آ گئی۔ اب کرین سے اسٹریچر کو علیحدہ کر کے شاہ فیصل، مفتی اعظم عراق، وزیر مختار جمہوریہ ترکی۔ اور پرنس فاروق ولی عہد مصر نے کندھا دیا۔ پھر اسی طرح حضرت جابر رض کی نعش مبارک مزار سے نکالی گئی۔

نعش ہائے مبارک کا کفن حتیٰ کہ ریش ہائے مبارک کے بال تک بالکل صحیح حالت میں تھے۔ یہ احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ تیرہ سو سال قبل کی نعشیں ہیں بلکہ گمان یہ ہوتا تھا کہ شاید انہیں رحلت فرمائے دو تین گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوئے سب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ ان دونوں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور اُن میں اتنی پُراسرار چمک تھی کہ بہتوں نے چاہا کہ اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھیں۔ لیکن اُن کی نظریں اس چمک کے سامنے

ٹھہری ہی نہ تھیں ٹھہر بھی کیسے سکتیں تھیں - !

بڑے بڑے ڈاکٹر یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ایک جرمن ماہر چشم جو بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا اس کارروائی میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا اس نے جو یہ دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا وہ اس منظر سے کچھ اتنا بے اختیار ہوا کہ ابھی نعش ہائے مبارک تابوتوں ہی میں رکھی گئی تھیں کہ اس نے آگے بڑھ کر مفتی اعظم کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا آپ کے مذہب اسلام کی حقانیت اور ان صحابہؓ کی بزرگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے ! لائیے مفتی اعظم ! ہاتھ بڑھائیے۔ میں مسلمان ہوتا ہوں۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ

غرض کہ لاشیں نکال کر شیشے کے بنے ہوئے خوب صورت تابوتوں میں رکھ دی گئیں اور رونمائی کے لیے چہروں پر سے کفن ہٹا دیا گیا۔

عراقی فوج نے باقاعدہ سلامی دی - توپیں سر ہوئیں اس کے بعد مجمع نے نماز جنازہ پڑھی - بادشاہوں اور علماء کے کندھوں پر تابوت اُٹھے - چند قدم تک سفرائے دُول نے کندھا دیا۔ پھر اعلیٰ حکام کو یہ شرف حاصل ہوا۔

اس کے بعد ہر شخص، جو وہاں موجود تھا' اس سعادت سے مشرف ہوا اس موقع پر ایک جرمن فلم ساز کمپنی نے کمال کیا دور دراز سے آئے ہوئے مشتاقان دیدار پر احسان کیا کہ اُس نے شاہ عراق کی منظوری سے ' اپنے خرچ پر عین مزارات کے اوپر دو سو فٹ بلند فولاد کے چار کھمبوں پر کوئی تیس فٹ لمبا اور ۲۰ فٹ چوڑا ٹیلی ویژن کا اسکرین لگا دیا پھر کھمبوں کے چاروں طرف چھت سے ملحق چار اسکرین لگا دیئے گئے۔ اس سے فائدہ یہ ہوا ہر شخص اپنی جگہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر مزارات کے کھلنے سے لے کر آخر وقت تک پوری کارروائی دیکھتا رہا۔ زیارت کے جوش میں کوئی ریل پیل نہیں ہوئی اور اس طرح ہزاروں لوگ پس کر مرنے سے بچ گئے مردوں عورتوں اور بچوں نے نہایت اطمینان سے پورا منظر دیکھا۔

جس وقت یہ مقدس جنازے پورے احترام کے ساتھ لے جائے جا رہے تھے ' ہوائی جہازوں نے غوطے لگا لگا کر سلامی دی اُن پر پھول برسائے۔ جب مرد کندھا دے چکے تو عورتوں کو شرفِ دیدار سے نوازا گیا۔ عورتوں نے جگہ جگہ ان دونوں تابوتوں پر منوں پھولوں کی بارش کی۔ اس غرض سے راستے میں کئی بار تابوت رکوائے گئے۔ اس شان سے چار گھنٹے بعد جب تابوت مقبرہ سلیمان پاک پہنچے تو اعلیٰ فوجی حکام نے پہلے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ اس کے بعد سفرائے دُول نے پھول نچھاور کئے اور پھر اعلیٰ ہستیوں نے جنہوں نے اِن مقدس لاشوں کو سب سے پہلے کرین پر اُتارا تھا۔ پورے اَدب اور احترام سے نئے مزارات میں رکھا اور توپوں کی گھن گرج فوجی بینڈوں کی گونج اور اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کے درمیان اسلام کے یہ دونوں زندہ شہید سپرد خاک کر دیئے گئے دوسرے دِن بغداد میں سینماؤں میں اس واقع کی فلم دکھائی گئی جس میں عثمان صاحب بھی کئی بار نظر آئے مگر میں خود کو ڈھونڈتی ہی رہ گئی عورتوں کے ہجوم میں کچھ پتہ نہ چلا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم دونوں اپنی خوش قسمتی پر ہمیشہ نازاں رہیں گے۔

اب تک بزرگوں کی زبانی سُنا اور کتابوں پڑھا تھا کہ فلاں بزرگ نے ایسا وعظ دیا کہ بے شمار کافر مسلمان ہو گئے اور آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اس واقع کے فوراً بعد بغداد میں عجب کھلبلی سی مچ گئی اور بے شمار یہودی اور نصرانی خاندان کسی خبر کے بغیر اپنے جہل و گمراہی پر افسردہ ' اپنے گناہوں پر نادم ' ترساں و یرزاں ' جوق در جوق مسجدوں میں قبولِ اسلام کے لیے آتے اور مطمئن ' شاداں و فرحاں واپس جاتے تھے۔

اس موقع پر مشرف بہ اسلام ہونے والوں کی تعداد اتنی تھی کہ اُن کا اندازہ لگانا سہل نہیں۔

ایک ایسا واقعہ جس نے غیر مسلم سائنسدانوں اور انجینیروں کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا۔

نوٹ :۔ مضمون نگار تمام تفصیلات کے باوجود تاریخ وسنہ لکھنا کہیں بھول گئی ہیں حضرت جیؒ رحمتہ اللہ بھی اس واقعہ کو اکثر بیان فرمایا کرتے تھے کہ مضامین کے رسائل اور اخبار بھی ان کے پاس محفوظ ہیں یہ واقعہ ان کا فرمان تھا - ۱۹۳۲ء میں ہُوا - (ادارہ)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ضلع اٹک کے اُن ساتھیوں کے لیے دُعائے مغفرت کیجیے۔

ڈاکٹر شہزاد طاہر جو عید الفطر کے تین دن بعد اور افسر شاہ ۲۷ رمضان المبارک کو رحلت فرما گئے۔

حرام مگر نوحام

سیماب اویسی

قدرت کی منصوبہ بندیاں بھی عجیب ہیں انسان اگر سمجھنا چاہے تو ہر چھوٹی بات بھی بڑی بات ہے اور ایک تازیانہ عبرت لیکن دل شرط ہے ورنہ ہر بڑی بات بھی معمول کی کاروائی دکھائی دیتی ہے بظاہر یہ ایک چھوٹا سا واقعہ ہے جسے حادثہ بھی کہا جا سکتا ہے اور یہی معمولی حادثہ ایک بہت بڑا وعظ بھی ہے جس میں نصیحت کا دریا بند ہے صرف نگاہ اپنی اپنی ہے۔

پاکستان سے ایک مولانا یہاں نیویارک تشریف لائے امسال رمضان المبارک میں انہوں نے ایسا مزیدار پروگرام ترتیب دیا کہ یہاں وقت سے پہلے رمضان المبارک کے خاتمے کا اعلان کر دیا ان کی دلیل یہ تھی کہ انہوں نے تقویم سے حساب لگا لیا ہے چنانچہ نیویارک میں بھی رمضان المبارک کے بعد دو عیدیں ہوئیں ایک ان لوگوں نے کی جنہوں نے مولوی صاحب کی بات مان لی اور دوسری نہ ماننے والوں نے بعد میں کی روزے پورے کر کے۔ مولوی صاحب کو کیا ملا ؟!

انہوں نے عید پڑھائی ڈالر تشریف لئے اور شام جہاز میں بیٹھے صبح برطانیہ تھے مزے کی بات یہ ہے کہ وہاں جا کر عید پڑھائی اور پاؤنڈ تشریف جمع فرمائے اور پاکستان چلے گئے عیدیں وہاں بھی دو منائی گئیں کہ یہ اب قبل از وقت تھے چنانچہ آپ نے عید لاہور جا کر اپنے بچوں میں منائی اور اس کی راہ میں رمضان شریف میں سفر کیا روزے قضا کیئے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر ڈالر اور پاؤنڈ لے کر چلے گئے امید ہے لاہور بھی عید کی امامت فرمائی ہوگی اگر دو بار کر سکتے ہیں تو تیسری بار آخر حرج ہی کیا ہے چلو ڈالر یا پاؤنڈ نہ سہی روپے تو ملیں گے اور یہ کونسی اصلی والی پڑھا رہے ہیں۔

اب یہ سب کچھ فوراً تو نہ ہوا ہوگا مولانا کی منصوبہ بندی کا کمال تھا کہ انہوں نے راستے میں حساب لگا کر سب کاموں کا وقت معلوم کر لیا اور جہاز پر بیٹھ گئے ادھر کارکنان قضا و قدر بھی اپنا کام کر رہے تھے انہیں بتانا تھا کہ یہ راستہ درست نہیں مگر کیسے ؟ دل تو ان کا اندھا تھا مادی کان ان کی آواز سے نا آشنا چنانچہ انہوں نے منصوبہ بندی کی اور اپنے منصوبے پر عمل کرنے سے پہلے مولوی صاحب تک ان کا پیغام پہنچ چکا تھا مگر صد افسوس وہ پھر بھی نہ سمجھے اور توبہ کی توفیق نہ ہوئی ہوگی

ہوا یہ کہ یہ صاحب اطالین ایئرلائن پہ سفر کر رہے تھے راستہ میں کھانا تقسیم ہوا تو مغرب میں حلال کا تو سوال ہی فضول ہے ہاں آپ کئی روز پہلے کہہ دیں تو آپ کو دیں گے جس میں خنزیر کا گوشت نہیں ہوگا باقی تو سب کچھ وہی ہوتا ہے ہاں شراب بھی نہیں ہوتی اس لیے ان جہازوں کا کھانا نہ ہی کھایا جائے تو ٹھیک ہے مگر مولانا نے تو یہ اہتمام نہ کیا تھا اور نہ جانتے تھے لہٰذا عین رمضان میں وہی سب کچھ جو انگریز اور امریکن غیر مسلم کھاتے ہیں ان کے سامنے بھی آ گیا یہ واقعہ خود انہوں نے بیان کیا کہ میں نے اس لڑکی سے پوچھا حرام تو نہیں اس نے کہا "نوحام" اور میں نے کھا لیا بہت بھوک لگ رہی تھی وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ یہ جاہل قوم حرام نہیں کہہ سکتی اور حام کہتی ہے انہیں بتایا گیا کہ جناب وہ تو خنزیر کا گوشت اور سارا حرام کھانا تھا لڑکی نہ اردو جانتی تھی نہ حلال حرام۔ اس نے تو انگریزی میں جواب دیا NO HARM - کہ کوئی حرج نہیں یعنی یہ کھانا طبی لحاظ سے ٹھیک ہے اور "ر" تو لکھتے میں درمیان یا اخیر میں ہو تو بولتے نہیں اس لیے حارم کو حام کہہ دیا تو کہنے لگے پھر میں نے تو پیٹ بھر کر کھا لیا بڑی بھوک تھی مگر یہ نہ سمجھے کہ یہ فطرت کا کتنا نازک اشارہ تھا کہ لوگوں کا رمضان برباد کر کے جو دولت لوگے وہ تو ایسی ملے گی جیسے جہاز کا کھانا۔ حیرت ہوتی ہے کہ بد بخت کو بدبو بھی نہیں آئی ورنہ جب جہاز میں کھانا تقسیم ہوتا ہے بدبو سے سر پھٹنے لگتا ہے شاید اللہ نے سارے احساسات ہی چھین لیے تھے کہ مولوی صاحب نے بھی ہر کام میں یہی رویہ اختیار کیا۔ یعنی

NO HARM.

امید ہے کبھی یہ سطور اگر ان کی نگاہ سے بھی گزریں تو بیشک خفا ہو لیں مگر اپنے کردار پر بھی نظر ثانی فرما لیں کہ یہاں نیویارک میں لوگ ابھی مسئلہ پوچھتے پھرتے ہیں "ہمارا جو اعتکاف ٹوٹا تھا اس کا کیا کیا جائے" کم از کم ان نو مسلموں کی حالت زار پر رحم کریں اللہ آپ پر رحم فرمائے۔

ٹی وی کا مسئلہ

حافظ عبدالرزاق

سائنسی ترقی اور جدید ایجادات کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اسلام کے کئی مسائل سمجھنے میں آسانی پیدا ہو گئی۔ مثلاً ایک ماڈرن مسلمان کے لیے بھی قیامت پر ایمان لانے میں پہلے نیوٹن کی تھیوری حائل ہوتی تھی مگر آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت اور "سیکنڈ لاء آف تھرمو ڈائنامکس" نے قیامت پر ایمان لانے کا کام آسان ہی نہیں کیا بلکہ یہ ایک ضرورتِ ثابتہ بن گئی۔

اسی طرح وائرلیس کی ایجاد نے یا ساریۃ الجبل کو ایک دعویٰ کی بجائے حقیقت کی شکل دے دی۔

اسی طرح تصوّف و سلوک میں صورۃ مثالی کا مسئلہ T.V. کے آنے سے حل ہونے لگا۔ اور انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے معجزات اور کرامات میں روحانی تصرف کا عقدہ ریموٹ کنٹرول کی ایجاد کی وجہ سے ناقابل فہم اور لاینحل نہیں رہا۔

اسی طرح کے دیگر فوائد کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کچھ مسائل الجھ کے رہ گئے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ مسائل سلجھ ہی نہیں سکتے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ ہمارا معاشرہ دو خانوں میں بٹ گیا ہے یعنی جو مسجد میں داخل ہوئے انہیں باہر کی کوئی خبر نہ رہی اور جو مسجد سے باہر رہے وہ اندر سے ناآشنا رہے یا یوں کہیے کہ جن حضرات نے دینی علوم کے حاصل کرنے میں ایک عمر صرف کی وہ مروجہ اور سائنسی علوم سے مطلق بے خبر رہے اور جو ماڈرن علوم میں گم ہو گئے وہ دین سے ناآشنا رہے اس سے اگلا مرحلہ یہ آیا کہ یہ اُن کے مخالف ہو گئے اور وہ ان کے خلاف مورچہ لگا بیٹھے اور مسائل الجھ کے رہ گئے۔

مثال کے طور پر سب سے پہلے لاؤڈ سپیکر کی ایجاد کو لیجیے جب خدا ناآشنا اور مذہب بیزار لوگ اس سے جی بھر کے فائدے اٹھانے لگے تو علماء کرام نے فتویٰ دے دیا کہ یہ آواز نہیں بلکہ آواز کی گونج ہوتی ہے اس لیے عبادات میں اس کا استعمال جائز نہیں۔ رفتہ رفتہ جب تحقیق ہونے لگی تو معلوم ہوا کہ یہ گونج نہیں ہوتی اصل آواز ہوتی ہے تو اس کے جواز کا فیصلہ دے دیا گیا۔ حالانکہ اول قدم پر اس کی تحقیق کر لی جاتی تو اشاعت دین کے سلسلے میں اس ایجاد کے استعمال کی صورت میں دیندار طبقہ بے دین لوگوں سے پیچھے نہ رہ جاتا۔

اس کے بعد ریڈیو کی باری آئی تو اس کے استعمال میں اس وجہ سے تردد ہونے لگا کہ اس کا شمار آلات لعب میں ہوتا ہے۔ تحقیق ہوتی رہی مگر ساتھ ہی تردد بھی موجود رہا۔ آخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ جو آلات فی نفسہ کے لیے ایجاد ہوئے ہیں ان کا استعمال تو ناجائز ہے مگر ریڈیو فی نفسہ کی خاطر ایجاد نہیں ہوا۔ لہذا اس کے جواز و عدم جواز کا فیصلہ اس کے استعمال پر ہوگا۔

پھر ٹی وی کی ایجاد سے اوّل تو وہی شق سامنے آئی کہ آیا یہ آلات لہو میں سے ہے یا نہیں۔ فیصلہ یہ ہوا کہ فی نفسہ آلات لہو میں سے نہیں۔ مگر دوسرا مرحلہ تصویر کا پیش آیا کیونکہ تصویر کھینچنا اور رکھنا دونوں فعل حرام ہیں۔ اس موقع پر وہی مشکل پیش آئی کہ ہمارے مفتیان کرام فوٹو کی فنی باریکیوں سے واقف نہیں۔ مگر ان حضرات نے مقدور بھر اس سلسلے میں محنت ضرور کی۔ چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع ؒ نے جدید مسائل میں بساط بھر تحقیق کرنے میں کمی نہیں کی چنانچہ ٹی وی کے سلسلے میں فرماتے ہیں۔ "عکس جب تک عکس ہے نہ شرعاً اس میں کوئی حرمت ہے نہ کسی قسم کی کراہت خواہ وہ آئینہ، پانی یا کسی اور شفاف چیز پر ہو یا فوٹو کے شیشہ پر۔ اور جب وہ اپنی حد سے گزر کر تصویر کی صورت اختیار کرے گا .... خواہ وہ فوٹو کے شیشہ پر ہو اس کے سارے احکام وہی ہوں گے جو تصویر کے متعلق ہیں۔

(آلات جدیدہ صد ۹۲)

اس بیان میں حضرت مفتی صاحبؒ کی تحقیق کوشش اور احتیاط نمایاں ہے مگر اس بیان سے ہی کئی فنی باریکیوں کو کما حقہ سمجھنے کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے مثلاً ۔ اس عمل کے اولاً دو حصے ہیں ایک عکس، ایک تصویر۔

پھر عکس کی مختلف صورتیں ہیں۔ آئینہ میں، پانی پر کسی اور شفاف چیز پر یا فوٹو کے شیشے پر۔ ان حالات میں نہ حرمت ہے نہ کراہت۔

یہاں ٹی۔ وی کی سکرین کے متعلق سوچنا ہو گا کہ یہ آئینہ، پانی یا فوٹو کا شیشہ تو نہیں مگر کیا یہ شفاف ہے؟ اگر یہ شفاف ہے تو بات صاف ہے اور اگر یہ شفاف نہیں تو پھر اس کی حیثیت کیا ہو گی!

پھر فرماتے ہیں: "اگر وہ اپنی حد سے گزر کر تصویر کی صورت اختیار کرے گا۔۔۔۔۔۔۔"

پہلا سوال یہ ہے کہ عکس کی حد کون سی ہے اور تصویر کسے کہتے ہیں دوسری بات کہ فوٹو کے شیشہ یا اسے فلم کہیں اس پر جو کچھ ہے کیا وہ عکس ہے یا تصویر ہے یا یوں کہئے کہ تصویر کی بھی دو صورتیں ہوتی ہیں نیگیٹو اور پازیٹو۔ اب یہ فیصلہ کرنا ہو گا کہ کیا نیگیٹو عکس ہوتا ہے یا تصویر۔ اگر عکس ہے تو پھر اس میں حرمت ہے نہ کراہت لہٰذا اس کا دیکھنا اور دکھانا ناجائز قرار پائے۔ اور اگر نیگیٹو عکس نہیں ہوتا بلکہ تصویر ہوتی ہے تو اس صورت میں فیصلہ بدل جائے گا اب یہ بتانا اہلِ فن کا کام ہے کہ فلم جو تیار ہوتی ہے اس میں جو کچھ ہوتا ہے وہ عکس ہوتا ہے یا تصویر ہوتی ہے فنی حقائق سے ہٹ کر عرفِ عام اور عقلِ عامہ کے اعتبار سے نیگیٹو کو تصویر نہیں کہا جاتا۔ تصویر کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو پازیٹو صورت اختیار کرتی ہے مطلق T.V. کے متعلق ان امور کی تحقیق کے علاوہ یہ امر تو طے ہے کہ جس اصل کو دیکھنا حرام ہے اس کی تصویر دیکھنا بھی حرام ہے۔ اس لیے ٹی وی میں نامحرم عورتوں کا عکس ہو یا تصویر نام رکھیں دونوں میں نتیجہ ایک ہی ہوتا ہے اور وہی ہوتا ہے جو ایک نامحرم اور بن ٹھنی عورت کو دیکھنے سے ہوتا ہے۔

اسی طرح ریڈیو میں عورت کا گانا سننا وہ اثر پیدا کرتا ہے جو ایک عورت کی زبانی پس پردہ بیٹھ کر سنا جائے۔ کیونکہ نامحرم عورت کی آواز بھی نامحرم ہے اور آواز کے اثر سے انکار نہیں کیا جا سکتا بقول کسے

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا ایں دولت از گفتار خیزد

عورتوں کا مردوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہونا

حدیث انس ﷺ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جس دن جنگ احد ہوئی اور لوگ نبی کریم ﷺ کو چھوڑ کر پسپا ہو گئے تو حضرت ابوطلحہؓ جو آپ کے سامنے کھڑے ہو کر ایک ڈھال سے اوٹ کیے ہوئے تھے اور حضرت ابوطلحہؓ بہت اچھے تیر انداز تھے آپ کی کمانوں کی تانت بہت سخت ہوتی تھی اور اس دن آپ دو تین کمانیں توڑ چکے تھے اور جب بھی کوئی شخص قریب سے تیروں کا ترکش لے کر گزرتا تو نبی کریمؐ اس سے فرماتے۔ یہ ترکش ابوطلحہؓ کے آگے ڈال دو! اور جب نبی کریم ﷺ جھانک کر کافروں کی طرف دیکھنے لگتے تو حضرت ابوطلحہؓ کہتے، یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ اس طرح نہ جھانکیں مبادا ان لوگوں کا کوئی تیر آپ کو آ لگے، میرا سینہ آپ کے سینے کے آگے ہے (یعنی میں آپ پر قربان ہونے کے لیے حاضر ہوں) (حضرت انسؓ کہتے ہیں:) اور میں نے ام المومنین حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ اور حضرت ام سلیمؓ کو دیکھا کہ دونوں نے اپنے دامن اس طرح اٹھا رکھے تھے کہ ان کی پنڈلیوں میں پازیب نظر آ رہے تھے اور اپنی پیٹھ پر مشک لاد لاد کر لاتیں اور پیاسے زخمیوں کے منہ میں پانی ڈالتی تھیں اور جب مشکیزہ خالی ہو جاتا تو واپس جا کر اسے پھر بھر لاتیں اور پھر لوگوں کے منہ میں پانی ڈالتیں، اور اس دن حضرت ابوطلحہؓ کے ہاتھ سے دو یا تین مرتبہ تلوار چھوٹ کر گری۔

اخرجه البخاری فی، کتاب ۶۳ مناقب الانصار: باب ۱۸ مناقب ابی طلحه رضی اللہ عنہ

ریڈیو اور ٹی وی کی موجودہ فتنہ ساما نیوں پر ایک شریف آدمی سوچتا ہے کہ یہ گھر گھر کنجر خانہ کھولنے کی ایک تحریک ہے قوم کا مزاج ہی یہ بن گیا ہے کہ ہر شخص جنت نگاہ اور فردوس گوش کی تلاش میں دیوانہ ہو چکا ہے۔ اس لیے طلب اور رسد کے اصول کے تحت مراکز ابلاغ بھی کچھ دینے پر مجبور ہیں۔ قوم کا یہ مزاج بنانے میں قومی پریس نے اہم کردار ادا کیا ہے مثلاً ایک مؤقر جریدہ جس کا مدت سے یہ معمول رہا کہ اخبار کے تیسرے صفحہ پر قائداعظم اور علامہ اقبال کی تصویر دیکر ان کے ملفوظات میں سے کوئی قول یا شعر لکھا جاتا ہے اب ان کے ساتھ یہ معمول بھی بن چکا ہے کہ اس اخبار کے دوسرے صفحے پر نہایت پابندی سے دو تصویریں ان "اداکاراؤں" کی دی جاتی ہیں جو جنت نگاہ اور فردوس گوش شمار ہوتی ہیں اور تصویر کے ساتھ ان کے ملفوظات بھی اسی عقیدت و احترام سے دیئے جاتے ہیں۔

دوسرا مقصد یہ حصہ ان لوگوں کا ہے جو ذرائع ابلاغ پر قابض ہیں۔ وہ جس مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں اس کی ساری رونق گانے بجانے اور گانا بجانے والیوں سے ہے اس لیے وہ یہ سب کچھ عبادت کے طور پر کرتے ہیں۔

اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچنا پڑے گا کہ ریڈیو اور ٹی وی سے جتنا مثبت تعمیری اور اصلاحی کام لیا جا سکتا ہے وہ کسی اور ذریعہ سے ممکن نہیں۔ گو اب بھی دینی اور اصلاحی پروگرام توازن قائم رکھنے کے لیے ریڈیو اور ٹی وی دونوں پر آتے ہیں مگر عام طور پر احتیاط کی جاتی ہے کہ ان کا وقت وہ رکھا جائے جب "صاحب بہادر" قسم کے لوگ ابھی جاگے نہ ہوں یا جب سو جائیں ان کی رعایت بھی آخر حقوق العباد کا ایک حصہ ہے۔

علماء کرام سے گذارش ہے کہ اس مسئلہ پر فنی تحقیق کے بعد شرح صدر کے ساتھ کوئی دو ٹوک فیصلہ دیں ورنہ ایک حل تو موجود ہے کہ یہ میدان بے دینی اور بے حیائی کی قوتوں کے سپرد کر کے دیندار طبقہ مسجد میں دبک کے بیٹھ جائے۔

من نگویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بھی در کار آساں کن

استغراق

استغراق ایک کیفیت ہے۔ اس کی صحیح حقیقت تو مستغرق کو ہی معلوم ہوتی ہے۔ مگر اتنا بیان کیا جا سکتا ہے کہ اس میں جسم کی مادی آنکھیں محو خواب ہوتی ہیں۔ مگر قلب بیدار ہوتا ہے۔ آدمی باتیں سنتا ہے۔ وضو ٹوٹ جائے تو معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح بیداری میں معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ استغراق میں قلب ماسوائے اللہ سے منقطع ہو جاتا ہے اور انوار و تجلیات میں مستغرق ہو جاتا ہے ——— دلائل السلوک

حکومت و امارت کی خواہش کرنا اور اسے طلب کرنا منع ہے

——— حدیث عبدالرحمن بن سمرہ ﷺ حضرت عبدالرحمنؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے عبدالرحمن بن سمرہؓ! حکومت و امارت کی طلب و درخواست نہ کرنا کیونکہ (یہ ایسی چیز ہے کہ) اگر یہ تم کو مانگنے اور طلب کرنے پر ملی تو ساری ذمہ داری تمہارے سر ہو گی (اللہ کی طرف سے تمہیں مدد و اعانت نہ ملے گی) اور اگر بے مانگے تم کو ملے گی تو اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں اللہ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی۔

اخرجہ البخاری فی: کتاب ۸۳ الایمان والنذور: باب قول اللہ تعالیٰ (لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم)

لطیفہ روح

جسم انسانی میں دل کا فعل درست ہو جائے تو صاف خون وریدوں اور شریانوں میں گردش کرنے لگتا ہے اور باقی اعضائے رئیسہ پر بھی اس کا خوشگوار اثر ہوتا ہے گویا دل کی درستی بالواسطہ تمام اعضائے رئیسہ کی اصلاح کا سبب بنتی ہے اسی طرح جب سالک کا لطیفہ قلب منور ہو جائے باقی لطائف بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے فرمایا۔

ان فی الجسد لمضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد کلہ الا وھی القلب او کما قال

قلب جاری ہونے کا مفہوم کچھ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی چشمہ سے پانی جاری ہو جائے تو اس سے یہی مراد ہوتی ہے پانی چشمہ سے نکل کر ڈھلوان کی طرف بہنا شروع ہو گیا۔ یہی جاری پانی ندی نالے دریا بنتا ہوا بالآخر سمندر میں پہنچ جاتا ہے جو اس کی آخری منزل ہے اسی طرح قلب جاری ہوا تو اس کے انوار اور اس کی آب و تاب نے باقی لطائف کو متاثر کیا اور سالک کی روح اپنی منزل یعنی قرب الٰہی کی طرف پرواز کرنے لگی۔

لطیفہ قلب کے جاری ہونے سے اس کا ہمسایہ دوسرا لطیفہ جسے روح کہتے ہیں لازماً متاثر ہوا۔ شیخ نے توجہ سے دوسرے لطیفہ کی تربیت شروع کر دی اور سالک دوسرے لطیفے کو منور کرنے میں مصروف ہو گیا۔

اہل فن اس لطیفہ کی تربیت کے وقت کہتے ہیں زیر قدم حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ ہے اس لطیفہ کے جاری اور راسخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض ان دو اولوالعزم پیغمبروں کے توسط سے سالک کو پہنچ رہا ہے۔ ان حضرات کی سیرت میں چند خصوصی پہلو ممتاز نظر آتے ہیں۔

حضرت نوحؑ کی سعی مسلسل کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ۹۵۰ برس تک اپنی قوم کو دعوت الی اللہ دیتے رہے نہ تھکے نہ اکتائے نہ دعوت کا کام بند کیا۔ ظاہر ہے کہ بڑی کامیابی ہوئی ہو گی۔ کثیر التعداد لوگوں نے دعوت کو قبول کیا ہو گا یہ بہار دیکھ کر وہ خوش ہوتے ہوں گے اس لئے دعوت کا کام چھوڑ دینے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے مگر حالات اس کے برعکس تھے۔ ۹۵۰ برس کے عرصہ میں صرف اتنے انسانوں نے ان کی بات پہ کان دھرا جو ایک کشتی میں آ گئے۔ اندازہ کیجئے وہ کتنے ہوں گے۔ ایک سو سے زیادہ کیا ہو سکتے ہیں۔ اگر یہی تعداد فرض کر لی جائے۔ تو ۹ آدمی سالانہ کے قریب بیٹھے۔ غور کیجئے اللہ کا جلیل القدر پیغمبر سال بھر محنت کرتا ہے اور محنت بھی کیسی کہ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَہَارًا کہ رات دن دعوت دیتا رہا۔ نتیجہ کیا سامنے آتا ہے۔ فَلَمْ یَزِدْھُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا۔ کہ میں جتنا بلاتا ہوں وہ اتنا دور بھاگتے ہیں جتنا کھینچتا ہوں وہ اتنے ہٹ کتے ہیں جیسے طبیعیات والے کہتے ہیں کہ

مقناطیس بنانے کی جتنی کوشش کی جائے اس کا اثر الٹا ہی ہوتا ہے اس المیہ کے باوجود حضرت نوحؑ نے دعوت تبلیغ کا کام ترک نہیں کیا۔ آخر جب اپنی پیغمبرانہ بصیرت سے معلوم کر لیا کہ یہ زمین بالکل بنجر ہے اور سانپ کے ہمیشہ سپولیے ہی پیدا ہوتے ہیں یہ جتنے بڑھیں گے زہر زیادہ پھیلے گا۔ تو دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا اِنَّکَ اِنْ تَذَرْھُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا

یعنی الٰہی ان ظالموں کا نام و نشان تک نہ رہنے دے یہ خود جب تک جئے بغاوت ہی پھیلائیں گے اور ان سانپوں

کے بچے بھی زہریلے کہ پیدا ہوں گے اور تیری مخلوق کو ڈستے پھریں گے۔

اس سے سالک کو دو امور کی رہنمائی ملتی ہے اوّل یہ کہ جو دولت اسے ملی ہے اسے بانٹے مخلوق کو دعوت الی اللہ دے اور اس کام کو کوئی طاقت اور کوئی ناخوشگوار حالت روک نہ سکے۔ یہاں آدمی ایک غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی کوشش کا خاص نتیجہ پہلے ہی تصور میں رکھ لیتا ہے کہ میری دعوت یوں مقبول ہوگی۔ اتنے لوگ قبول کریں گے۔ وغیرہ جب نتیجہ اس کے اندازے کے مطابق ظاہر نہیں ہوتا تو حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ اور کام چھوڑ دیتا ہے یہ بڑا خطرناک موڑ ہے اس پریشانی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی معاذ اللہ، خدا بننا چاہتا ہے کیونکہ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ میں چاہوں وہی ہو۔ اور یہ منصب صرف خدا کو سزاوار ہے کہ جو وہ چاہے وہی ہو۔ بندہ کا مقام یہ ہے کہ اپنی ڈیوٹی کرتا رہے نتیجہ اس کے حوالے کرے جو یہ سارا نظام چلا رہا ہے اور ہمیشہ یہ خیال رہے کہ نتیجہ وہی نکلے گا۔ جو وہ چاہے گا۔ آدمی جب اپنے دائرہ عمل سے نکل کر خدا کے دائرہ کار میں قدم رکھتا ہے تو اسے پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا سالک کا کام یہ ہے کہ نتیجہ سے بے نیاز ہو کر دعوت الی اللہ کا کام کرتا چلا جائے۔ ترکِ دعوت کا خیال بھی نہ آنے پائے۔ نتیجہ خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے امام الانبیاءؐ کو تسلی دیتے ہوئے آپ کے توسط سے امت کو یہی تعلیم دی ہے کہ۔

آپ اس فکر میں کیوں گھلے جا رہے ہیں۔ کہ یہ لوگ آپ کی بات کیوں نہیں مانتے پھر ہدایت و ضلالت کا راز بتاتے ہوئے فرمایا۔

یعنی ہدایت دینا آپ کے دائرہ عمل سے باہر ہے اس کا تعلق میری ذات سے ہے آپ کا کام بس دعوت دیتے چلے جانا ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ سالک کو یہ دیکھ کر کہ حضرت نوحؑ نے آخر تنگ آ کر باغیوں کو تباہ کرنے کی درخواست کر ہی دی۔ یہ سوچنا چاہیئے۔ یہ معاملہ ایک اولوالعزم پیغمبر کا ہے جسے رب العالمین سے براہ راست حقائق منکشف ہوتے ہیں نبی خود نہیں کہتا بلکہ اس سے کہلوایا جاتا ہے۔ یہ منصب کسی

"ہر چیز کے صاف کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے جس سے اُس کی گندگی اور زنگ کو دور کیا جاتا ہے۔ اور دلوں کی صفائی کے لیے اللہ کا ذکر ہے۔ ذکر سے دلوں کی صفائی کا جو کام لیا جاتا ہے اُس سے "حضور" حاصل ہوتا ہے اور اس کا نام "سلوک" ہے۔"

حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ

غیر نبی کو حاصل نہیں جیسے آیت ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ۔ کے نزول سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو آگاہ کر دیا۔ کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے آپ خواہ کتنی کوشش کر دیکھیں علماء کہتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کو کچھ نہیں کہا اس سے پہلے آپ دیکھتے تھے۔ آپ کی دعوت کا اس پر اثر نہیں ہو رہا مگر برابر دعوت دیتے رہتے تھے۔ اس لئے سالک کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ منصب صرف نبی کا ہے افرادِ امت کا کام یہ ہے کہ برابر دعوت الی اللہ دیتے ہی رہیں۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب دعوت کے جواب میں انکار، ضد یا جھگڑے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے تو حکمت تبلیغ کو مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ جو داعی حق حکمت تبلیغ سے کام نہیں لیتے وہ نہ صرف خود مایوس ہو کر اپنا کام بگاڑتے ہیں۔ بلکہ مخاطب کے اندر ضد اور ہٹ دھرمی کے جذبات کی پرورش کے ذمہ دار ہوتے ہیں اس لئے سالک کو اس خطرے سے آگاہ رہنا چاہیئے۔ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ داعی اپنے مخاطب کو مریض سمجھے پھر سوچے کہ ایک معالج جسے صرف مریض کی خیر خواہی مطلب ہو علاج کے دوران مریض سے کس قسم کا سلوک کرتا ہے۔ بس وہی طرزِ عمل اختیار کرنا مناسب ہوتا ہے۔ جھگڑا، مناظرہ یا فتویٰ سے دعوت تبلیغ کا کام نہیں ہو سکتا۔

ایک مثال پیش کرتا ہوں فرض کیجئے آپ سے مطالبہ ہوتا ہے کہ فلاں جگہ بیان کرنا ذکر کی فضیلت بتاتی ہے اور

ذکر کرانا ہے کیونکہ وہاں ایک آدمی ہماری مخالفت پر تلا ہوا ہے اور وہ مجلس کے خلاف تحریک چلانا چاہتا ہے ظاہر ہے کہ اس مطالبے کے اندر خود ضد اور مخالفت کے جراثیم پائے جاتے ہیں اگر یہ مطالبہ پورا ہی کرنا ہو تو صورت یہ ہے کہ آدمی اپنی بات پوری دلسوزی سے کہہ دے پھر دعوت دے کہ مجھے تو یہ کام مفید اور ضروری معلوم ہوتا ہے آپ گھر جا کر اس پر غور کریں اگر آپ بھی اس نتیجہ پر پہنچیں تو بسم اللہ کر دیجئے اور اگر آپ یہ سمجھیں کہ یہ کام غیر مفید یا غیر ضروری ہے تو اس بات کو بھول جائیں کہ یہاں کوئی آیا تھا۔ اور اس نے کوئی بات کہی تھی اسی طرح ایک تجربہ ہوا ہے ساتھیوں نے بتایا تھا کہ وہ جسے ہم مخالف سمجھتے تھے وہ برابر بیٹھا بات سنتا رہا اور وقتاً فوقتاً اسے آبدیدہ ہوتے بھی دیکھا پھر بیان کے بعد مجلسِ ذکر ہوئی تو وہ ذکر میں بھی شامل ہوا۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے ایک پل میں دل پھیر دیتا ہے اس لئے دعوت کے ساتھ ہمیشہ اللہ سے دعا کرتے رہنا چاہیئے کہ میری باتوں سے کچھ نہیں ہوگا۔ بس تو اپنی قدرت سے دلوں کو اپنی طرف پھیر دے۔

حضرت نوحؑ کے ساتھ دوسرا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آتا ہے آپ کی سیرت کا ایک ایک پہلو رہتی دنیا تک انسانیت کے لئے روشنی کا مینار ہے۔ مگر کچھ نقوش ایسے بھی ہیں جو زیادہ ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں ان میں سے ایک امر کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشادِ باری ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ

تم کو چال چلنی چاہیئے ابراہیمؑ کی اور جو اس کے ساتھ تھے جب انہوں نے کہا اپنی قوم کو ہم الگ ہیں تم سے اور ان سے کہ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا۔ ہم منکر ہوئے تم سے اور کھل پڑی ہم میں اور تم میں دشمنی اور بیر ہمیشہ کو یہاں تک کہ تم یقین لاؤ اللہ واحد پر"

حضرت ابراہیمؑ نے دعوت الی اللہ کا کام شروع کیا تو گھر سے مخالفت اٹھ کھڑی ہوئی۔ باپ مخالف ہو گیا۔ برادری نے تنگ

> آپؐ کی تعلیمات، ارشادات اور اس کے ساتھ فیضِ صحبت تزکیہ کی اصل ہے۔ صرف تعلیمات تو کافر بھی سنتا اور جانتا ہے مگر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے فیضِ صحبت سے محروم رہتا ہے۔ اور مومن ایمان لا کر ان کیفیات کو حاصل کرتا ہے۔ جو آپؐ کی صحبت میں بٹتی ہے۔ چنانچہ ایک نگاہ پانے والا صحابیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوا۔ اور نعمتِ عظمیٰ بٹتی رہی۔ صحابہ کی صحبت میں آنے والے تابعین کہلائے اور ان سے تبع تابعین مستفید ہوئے پھر اہل اللہ نے اس نعمت کو ان کے مقدس سینوں سے حاصل کیا اور خلق خدا کے دلوں کو روشن کرتے رہے۔ اور کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ
>
> (مولانا محمد اکرم مد ظلہ)

کرنا شروع کیا۔ قوم سر ہو گئی مگر آپ کے پائے استقلال کو ذرا لغزش نہ آئی۔ برابر دعوت کا کام کرتے رہے رہا اللہ کے باغیوں سے برتاؤ کا معاملہ تو آپ نے اعلان کر دیا کہ میں تمہارے عقائد سے تمہارے اعمال سے بیزار ہوں۔ رشتہ اور دوستی کے تعلقات ختم ہوتے۔ اس اعلانِ بیزاری کے باوجود ان کے لئے خیر خواہی کا جذبہ موجود رہا۔ کہ میں اپنے رب سے درخواست کروں گا۔ کہ میرے باپ کو ایمان کی دولت عطا فرما کر اس کے گناہ معاف کر دے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دعوت الی اللہ میں یہ حالات بھی سامنے آتے ہیں۔ اپنے بھی بیگانے بن جاتے ہیں مگر اس صورتحال سے گھبرا کر کام نہیں چھوڑنا بلکہ ان کو چھوڑ دینا ہے مگر اعلانِ برأت بیزاری اور دشمنی ان کی ذات سے نہیں بلکہ ان کے عقیدہ اور عمل سے ہے اگر وہ اپنے آپ کو بدل دیں تو اعلان بیزاری اپنے آپ ختم ہوا۔ اس بائیکاٹ کے ساتھ ہی ان کے حق میں دعا کا سلسلہ جاری رہے کیونکہ ان کی خیر خواہی کا تقاضا یہی ہے۔

اس قسم کی مثالیں بھی دیکھنے میں آئی ہیں۔ میرے سامنے چند نوجوان موجود ہیں جن کو گھر سے نکال دینے کی دھمکی

دی گئی۔ انہیں کہا گیا کہ تم نے تو خاندان کی ناک کٹوا دی تم نے اپنے کنبے کو بدنام کر دیا۔ تم نے اپنی شکل بگاڑ لی۔ تم مسیتی کہلانے لگے وغیرہ۔ ایسی مثالیں عام ہیں اور ایسے حالات اکثر سننے اور دیکھنے میں آتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا بیزاری اور دین سے دوری کی وبا عام ہو گئی ہے بے راہ روی کے جراثیم نے انسان کو اس بری طرح متاثر کیا ہے کہ بڑے بوڑھے بھی اس کی لپیٹ میں آچکے ہیں۔ ہم نے وہ وقت بھی دیکھا ہے کہ جب کوئی بچہ کوئی جوان کوئی غلط روش اختیار کرتا تھا تو والدین اور خاندان کے دوسرے بزرگ پریشان ہونے لگتے۔ اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے تھے۔ آج یہ حالات بھی دیکھ رہے ہیں کہ اگر کوئی بگڑا ہوا جوان دین کا رخ کرتا ہے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو بوڑھوں اور بزرگوں کی دنیا میں زلزلہ آجاتا ہے اور اپنی بڑائی اور بزرگی کے بل بوتے پر جوانوں کی راہ روکنے کے لئے میدان میں نکل آتے ہیں۔

اس لئے ان حالات میں تو زیادہ مستعدی زیادہ محنت و ہمت اور کوشش کی ضرورت ہے ہم نے اپنی فکر نہ کی تو خدا کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ ہماری جگہ وہ کسی اور قوم کو اس کام پر مقرر کر دے گا اس کا دین تو بہرحال قائم رہنا ہے۔ ہم نہیں اور سہی۔

ان کا کیا ہے چاہنے والے تم نہ سہی تو اور بہت
ترک محبت کرنے والو تم تنہا رہ جاؤ گے

اس راہ میں رکاوٹیں پیش آنا کوئی انوکھی بات نہیں یہ ایک فطری عمل ہے رکاوٹیں یقیناً قلب کو جوش عمل کو متاثر کرتی ہیں ایک عام آدمی کے لئے رکاوٹ کی وجہ سے عمل میں کچھ کمی آجانا بھی تعجب کی بات نہیں کیونکہ ہر شخص میں اس درجے کی قوت ارادی نہیں ہوتی جو حضرت ابراہیم کو اللہ پاک نے عطا کی تھی۔ مگر بالکل رک جانا اور چھوڑ بیٹھنا محبت کی توہین ہے آپ دیکھتے نہیں کہ پاور ہاؤس سے جس طاقت کی بجلی کی رو چلتی ہے۔ صارفین کے ہاں اتنی طاقت کی کرنٹ نہیں پہنچتی بلکہ اہل فن نے اس کا ایک فارمولا معلوم کیا ہے کہ الیکٹرو موٹو فورس کو ٹوٹل ریزسٹنس پر تقسیم کرتے ہیں جو حاصل قسمت ہوتا ہے اس قوت کا کرنٹ آگے پہنچتا ہے معلوم ہوا کہ ریزسٹنس یا رکاوٹ سے زور تو کم ہو سکتا ہے مگر کرنٹ ختم نہیں ہو سکتی۔

"جب اللہ تعالیٰ نے عزرائیلؑ کے سپرد ساری دنیا کی موت کا معاملہ کیا تو انہوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے ایسی خدمت سپرد کی کہ ساری دنیا اور سب بنی آدم مجھے برا کہیں گے اور جب میرا ذکر آئے گا برائی سے کریں گے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اس کا تدارک اس طرح کر دیا ہے کہ دنیا میں موت کے کچھ ظاہری اسباب اور امراض رکھ دیے ہیں جن کے سبب لوگ موت کو ان اسباب و امراض کی طرف منسوب کریں گے۔ آپ ان کی بدگوئی سے محفوظ رہیں گے۔"

(قرطبی فی التفسیر و التذکرہ)

یہ تو بے جان بجلی کے کرنٹ کی حالت ہے ایک جیتا جاگتا انسان ایک مسلح سالک اگر رکاوٹوں کی وجہ سے کام ہی چھوڑ بیٹھے تو کتنے شرم کی بات ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی قربانیوں کا اجمالی تصور بھی انسان کو حیرت میں ڈال دیتا ہے باپ کو چھوڑا۔ رشتے دار چھوڑے گھر بار چھوڑا۔ مگر امتحان کا سلسلہ ختم نہ ہوا۔ بڑھاپے میں بیٹا عطا ہوا تو حکم ہوا کہ اس بچے اور اس کی والدہ کو ایک غیر آباد سنگلاخ زمین میں چھوڑ آ۔ آپ انہیں لے جاتے ہیں وادی غیر ذی ذرع میں چھوڑ کے لوٹنے لگتے ہیں تو بیوی پوچھتی ہے ہمیں کس کے حوالے کر کے جا رہے ہو اتنا کہتے ہیں کہ اللہ کے حوالے اور واپس چل پڑتے ہیں، بیوی، عورت ذات مگر پورے اطمینان سے کہتی ہے کہ اچھا اگر یہ بات ہے تو کوئی فکر نہیں ہمارا اللہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔

طبیعیات والے جو کہتے ہیں کہ انڈکشن کے اصول کے تحت مقناطیس کا عمل ہوتا۔ یعنی کسی ٹکڑے کو مقناطیس کے ٹکڑے کے پاس رکھ دو کچھ عرصہ پاس پڑا رہنے سے وہ بھی مقناطیس بن جائے گا۔ واقعی وہ لوگ سچ کہتے ہیں بیوی جو حضرت ابراہیمؑ کے پاس رہی تو اس کے اندر بھی توکل علی اللہ اس درجہ کی پیدا ہو گئی کہ جنگل بیابان میں بھی اپنے آپ کو غیر محفوظ

نہیں سمجھتی ۔ اسے اپنے رب پر اتنا بھروسہ ہے کہ مطلق پریشان نہیں ہوتی ۔

اس تفصیل سے غرض یہ ہے کہ سالک کو یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیئے کہ لطیفۂ روح کے منور ہونے اور راسخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عملی زندگی میں اس کی سیرت و کردار سے یہ ظاہر ہو کہ واقعی یہ شخص ان دو اولوالعزم پیغمبروں کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کر رہا ہے ۔ اس میں دعوتِ دین کا جذبہ موجود رہے ۔ توکل علی اللہ پیدا ہو جائے ۔ اسباب پر نظر نہ ہو ۔ اسباب ضرور اختیار کرے مگر نگاہ مسبب الاسباب پر جمی رہے آپ کی ذمہ داری دوگونہ ہے ایک تو اس حاصل شدہ دولت کو محفوظ رکھنا کہ کہیں ضائع نہ ہو جائے ۔ موجودہ ماحول میں یہ کام بھی کچھ مشکل نہیں بقول اکبر الہ آبادی ۔

ہمیشہ پیشِ نظر ہیں رضو شکن منظر
اس انجمن میں نبھے کس طرح نمازی کی

یہ دورِ نمائش کا دور ہے ہر کام میں ہر بات میں یہ کوشش ہوتی ہے کہ کہیں شو میں کمی نہ آ جائے اس لئے اس ماحول کی جاذبیت انسان کی راہِ حق سے قدم قدم پر ہٹانے کی کوشش کرتی ہے ملازم ہے تو رشوت کی کشش اور جاذبیت کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے ۔

میرے پاس ایک مولوی صاحب آئے ۔ دیکھنے میں بہت نیک معلوم ہوتا تھا لیکن جب میں نے غور سے دیکھا تو اُسے کہا کہ تیرے دل میں تو زنانی بیٹھی ہے اُس نے انکار کیا ۔ میں نے اُس کا حلیہ بتایا دوہ نہ مانا جب میں اندر گیا تو کسی ساتھی سے کہنے لگا کہ مولوی صاحب کو کس نے یہ بات بتائی ۔ بالآخر وہ مان گیا میں نے اُس سے کہا کہ بس اب مڑ کر میرے پاس مت آنا تو مولوی نہیں ہے ۔

حضرت مولانا اللہ یار خان رح

مزدور رہے تو کام چوری کا لالچ راہ روکتا ہے ۔ تاجر اور کارخانہ دار ہے تو ملاوٹ ، دھوکا ، ہیرا پھیری میں نفع کی امید راہِ حق پر قائم نہیں رہنے دیتی ۔ اگر سالک میں توکل علی اللہ کا وصف پیدا ہو گیا ہے تو یہ ایک ہتھیار ان سب جاذبیتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی ہے ۔

دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی حفاظت پر ہی اکتفا نہ کرے بلکہ آس پاس ڈوبنے والوں کو بچانے کی فکر بھی رہے اور اس کٹھن راہ میں جو مشکلات پیش آئیں ان کا مقابلہ کرتا چلا جائے ۔ سیرۃِ نوحؑ اور اسوۂ ابراہیمیؑ اس کے لئے مشعلِ راہ ہو اور ہر حالت میں مسبب الاسباب پر نگاہ ہو

—— حدیث معقل بن یسارؓ : حسنؒ بیان کرتے ہیں کہ عبیداللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسارؓ کے مرض الموت میں آپ کی عیادت کے لیے آیا تو حضرت معقلؓ نے اس سے کہا کہ میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے خود آں حضرت ﷺ سے سنی ہے ۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے : جس بندے کو اللہ نے رعیت کا حاکم و محافظ بنایا اور اس نے بھلائی اور خیرخواہی کے تقاضوں کے مطابق رعیت کی حفاظت کی ذمہ داری پوری نہیں کی تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا ۔

اخرجہ البخاری فی : کتاب ۹۳ الاحکام : باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح

—— حدیث ابن عباس ﷺ : حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : جس شخص کو حاکمِ وقت میں دین و شرع کے اعتبار سے کوئی ناپسندیدہ بات (فسق وغیرہ) نظر آئے اسے چاہیے کہ صبر کرے اس لیے کہ جو شخص امیر کی اطاعت سے بالشت بھر بھی باہر ہُوا وہ جاہلیت کی موت مرا ۔

اخرجہ البخاری فی : کتاب ۹۲ الفتن : باب ۲ قول النبی ﷺ ستروں بعدی اموراً تنکرونہا

تقویٰ

غوث

اچھے اور برے تو اسلام نے ان کی سیرت کی تعمیر کے لیے ان دونوں قسموں کے متعلق الگ الگ ہدایات دیں جنکو اوامر اور نواہی کہا جاتا ہے یعنی کرنے کے کام اور وہ کام جن سے بچنا لازمی یعنی تعمیر سیرت کے سلسلے میں جتنا اہم اچھے کام کرتا ہے۔ اتنا ہی اہم برے کاموں سے بچنا ہے بلکہ شرف انسانیت یا انسان کا فرشتے سے بھی افضل ہونا اس دوسرے پہلو کی وجہ سے ہے۔ یعنی اوامر کے سلسلے میں انسان جتنی بھی کوشش کرے وہ عبادت میں فرشتے سے نہیں بڑھ سکتا۔ ارشاد باری ہے يَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ یعنی فرشتے تو صرف تعمیل حکم میں منہمک رہتے ہیں اور انسان کے لیے کرنے کے ساتھ بچنا بھی ضروری ہے۔ تو جس قدر انسان بچنے کے پہلو میں ترقی کرے گا اتنا ہی اس کی سیرت ارفع اور اعلیٰ ہوگی۔

تقویٰ کا لفظ لغت کے اعتبار سے صرف بچنے کا مفہوم رکھتا ہے۔ لیکن اسلام کی اصطلاح میں تقویٰ کے معنی ہر ایسے کام سے بچنا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسندیدہ ہوں۔ اس کام کیلئے بڑا ضبط، ڈسپلن اور کنٹرول درکار ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ حضرت اُبی بن کعبؓ سے تقویٰ کا مفہوم پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ امیر المومنین آپ کسی ایسے تنگ راستے سے گزرے ہیں جس کے دونوں طرف کانٹے دار جھاڑیاں یا باڑ ہو۔ فرمایا ایسا ہوا ہے۔ پوچھا اس گزرنے کی کیفیت بیان فرمایئے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کپڑے لپیٹ کر جسم سمیٹ کر گزرا تاکہ کوئی کانٹا کپڑے سے نہ الجھ پڑے یا جسم پہ کوئی خراش نہ آنے پائے تو حضرت اُبی بن کعبؓ نے فرمایا۔ امیر المومنین زندگی میں برائیوں سے اسی طرح بچنے کے گزرنے کا نام تقویٰ ہے۔ جیسے کسی نے کہا ہے۔ ؎

زندگی کی راہ میں چل پر ذرا بچ بچ کے چل
یوں سمجھ لے کوئی مینا خانہ بار دوش ہے

بچنے کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیجئے کہ ایک آدمی بڑا صفائی پسند ہے کپڑے اور جسم نہایت صاف

اس عنوان میں دو لفظ مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ اول تعمیر سیرت اور یہ مقصد ہے۔ دوم تقویٰ جو اس مقصد تک پہنچنے کا اہم ذریعہ ہے۔

سیرت کسے کہتے ہیں؟ یہ سوال تفصیل طلب ہے۔ انسان جب کوئی کام بار بار کرتا ہے تو وہ اس سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اس کام کے کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اور پھر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی وہ کام چھوڑ نہیں سکتا، اس کو عادت کہتے ہیں، چونکہ زندگی میں بے شمار کام ایسے ہیں جو بار بار کرنے پڑتے ہیں یا آدمی اپنی مرضی سے بار بار کرتا ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے اس کی بہت سی عادتیں ہیں تو عادتوں کے مجموعہ کو سیرت کہتے ہیں۔ گویا سیرت دراصل انسان کا رویہ ہے جس کے تین رُخ ہوتے ہیں۔ اس کا اپنی ذات سے رویہ کیسا ہے، دوسری مخلوق سے کیسا ہے۔ اور اپنے خالق سے کیسا ہے۔ یہ تیسری بات صرف ان لوگوں کے پیش نظر ہوتی ہے جنہیں یقین ہو کہ خالق ہے۔ پھر اس کی معرفت بھی حاصل ہو کہ انسان کو اپنے خالق کے ساتھ کیسا رویہ رکھنا چاہیئے۔ یوں کہیے کہ ایک مسلمان کی سیرت کو پرکھنے کے لیے یا سیرت کی تعمیر کے لیے ان تینوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کام اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی اس لیے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عادتیں اچھی بھی ہوتی ہیں اور بری بھی۔ لہٰذا اچھی عادتوں کے مجموعے کو حسن سیرت کہیں گے اور بری عادتوں کے مجموعے کو بری سیرت کہیں گے جب تعمیر سیرت کا سوال سامنے آئے گا تو اس سے لازماً یہ مراد ہوگی کہ اچھی عادتوں کا زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ کیونکہ بری عادتوں کو جمع کر لینے کو تعمیر نہیں کہہ سکتے۔ یہ تو تخریبی عمل ہوا۔ لہٰذا تعمیر سیرت کا لازمی مقصد یہ ہوگا کہ اپنے اندر زیادہ سے زیادہ اچھی عادتوں

کو جمع کر لینے کا اہتمام کیا جائے اور یہ کام اتنا اہم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ یعنی مجھے تو صرف اس لیے بھیجا گیا ہے کہ اعلیٰ اخلاق عمدہ سیرت کی تکمیل کا نمونہ پیش کر دوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب کام دو قسم کے ہیں رکھتا ہے اگر وہ غلاظت سے میل سے داغ دھبوں سے کیچڑ سے بچتا نہیں تو صفائی کیونکر رکھ سکے گا۔ ایک آدمی اپنی حفاظت کا بڑا اہتمام کرتا ہے اگر وہ آگ سے بچتا نہیں تو محفوظ کیونکر رہ سکے گا۔ اس لیے معلوم ہوا کہ ہر خوبی کی حفاظت، اس کی بقا، اس کی تکمیل کے لیے بچنے کا عمل نہایت ضروری ہے اسی عمل کا نام تقویٰ ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ تقویٰ کی اہمیت جس انداز سے بیان فرماتا ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کے بغیر انسان نہ اپنی ذات کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے نہ مخلوق کے لیے اس کا وجود کسی درجے میں مفید ہو سکتا ہے نہ اس کا تعلق اپنے خالق سے کما حقہ قائم رہ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تینوں پہلو ناقص رہے تو سیرت کی تعمیر کیونکر ہو گی۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

۱ یعنی اگر تم اپنے اندر صبر کی عادت اور تقویٰ کا وصف پیدا کر لو تو یہ بڑی قابل تعریف بات ہے۔

۲ تقویٰ دشمنوں سے محفوظ رکھنے کا باعث ہے۔ "یعنی اگر تم بسر کرنا سیکھ لو اور تقویٰ کا وصف پیدا کر لو تو دشمن تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

۳ تقویٰ معیت باری کا سبب ہے "یعنی اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اللہ ساتھ ہو تو ڈر کس کا اور کمی کس چیز کی۔"

۴ سختیوں سے نجات اور رزق حلال کا سبب تقویٰ ہے "یعنی جو اللہ کی نافرمانی سے بچے گا اللہ اسے سختیوں سے نکال لے گا۔ اور اسے وہاں سے رزق پہنچائے گا کہ اسے وہاں کا گمان تک نہ ہو گا۔

۵ تقویٰ اصلاح سیرت کا سبب ہے "یعنی اللہ کی نافرمانیوں سے بچتے رہو۔ اللہ تمہارے اعمال کی خرابیوں

شیخ

شیخ زبردست جذبے کا مالک ہو مقناطیسی قوت رکھتا ہو۔ اس کے انوار میں اتنی طاقت ہو کہ سالک کی روح کو اپنے انوار کے ذریعے کھینچ کر لے جائے اور توجہ قلبی سے روحانی طور پر سالک کی تربیت کر سکے۔ دلائل السلوک

(حضرت مولانا اللہ یار خانؒ)

کی اصلاح کر دے گا۔"

۶ تقویٰ گناہوں کی بخشش کا سبب ہے "یعنی تمہارے اعمال کی اصلاح بھی کرے گا پھر بھی کوئی کمی رہ گئی تو معاف کر دے گا۔"

۷ تقویٰ محبت الٰہی کا سبب ہے "یعنی یقیناً اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اپنے اندر تقویٰ کا وصف پیدا کر لیتے ہیں۔"

۸ تقویٰ قبول عبادت کا سبب ہے۔

۹ تقویٰ عظمت کی علامت ہے "یعنی تم میں سے سب سے اعلیٰ اور معزز اور اونچی شان والا وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہے۔"

۱۰ تقویٰ نجات کا ذریعہ ہے "یعنی ہم اسے نجات دیں گے جو تقویٰ اختیار کرے گا۔"

۱۱ تقویٰ ہمیشہ کے لیے جنت کے حصول کا ذریعہ ہے "یعنی ہم نے تقویٰ والوں کے لیے پہلے ہی جنت تیار کر رکھی ہے۔"

خلاصہ یہ ہوا کہ توفیق عمل اصلاح عمل اور قبول عمل کا مدار تقویٰ پہ ہے اور عمل ہی کا نام سیرت ہے اور حسن عمل کا نام حسن سیرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تعمیر سیرت کے لیے جس وصف کی اتنی تعریف کی ہے اس کی اہمیت اور عظمت میں کون شک کر سکتا ہے اور کیسے شک کر سکتا ہے

روح کا ہے امتحان اور زندگی کا کورس ہے
ہے مبارک وہ سمجھو قرآن جس کا سورس ہے

(SOURCE)

کیوں ؟

حافظ عبدالرزاق

یہ کیوں، بظاہر ایک چھوٹا سا لفظ ہے ایک معمولی سوال ہے مگر وہ نگاہ میسر آجائے جو شئے کی حقیقت تک پہنچ جاتی ہے تو اسکے جواب میں ایک نہایت دردناک المیہ فلم کی ریل کی طرح چشم تصور کے سامنے آجاتا ہے۔ اس کی پوری صورت نہ سہی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بھی بنیادی طور پر اس امر کی ضرورت ہے کہ "خلافت" اور "خلافت راشدہ" کے حقیقی مفہوم کو پورے طور پر سمجھ لیا جائے۔

خلافت کا صحیح مفہوم نیابت ہے۔ خلیفہ یا نائب اسے کہتے ہیں جو اصل حاکم کا قانون اطاعت کے جذبہ کے ساتھ اس کی اصل روح سے اس کی قلمرو میں نافذ کرے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کی طرف اسطرح اشارہ کیا کہ پہلے انسان کا مقصد تخلیق بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔ پھر اس خلیفہ کے فرائض کی لمبی چوڑی فہرست دینے کی بجائے ایک اصول بتادیا کہ الا لیعبدون یعنی اس خلیفہ کا کام صرف اتنا ہے کہ "جو میں کہوں وہ کرے" عبارت کا حقیقی مفہوم سادہ الفاظ میں یہی ہے۔

خلافت کا دائرہ پھیلے تو معاشرہ سے بڑھ کر پوری انسانیت اس کی لپیٹ میں آجاتی ہے اور سمٹے تو فرد کے فکر و عمل تک محیط رہتی ہے۔ چونکہ خلافت کا لفظ بالعموم اپنے وسیع مفہوم میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے اس زاویہ نگاہ سے اسے

(حدیث ابوموسیٰ و معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت اشعریوں میں سے دو شخص میرے ہمراہ تھے ایک میری دائیں جانب اور دوسرا بائیں طرف اور نبی کریم ﷺ مسواک کر رہے تھے ان دونوں نے آپ سے (عہدہ) طلب کیا تو آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: اے ابوموسیٰ! یا اے عبداللہ بن قیس! تم کیا کہتے ہو؟ حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا! ان دونوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا کہ ان کے دل میں کیا ہے اور مجھے ہرگز محسوس نہ ہوا تھا کہ یہ دونوں عہدہ طلب کرنے کی درخواست کریں گے حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں گویا اس وقت بھی آپ کی مسواک کو دیکھ رہا ہوں جو آپ کے ہونٹوں میں دبی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا: ہم اس شخص کو جو عہدے کا طلب گار ہو، کام اور عہدے کی ذمہ داریاں سپرد نہیں کرتے لیکن، اے ابوموسیٰ! (یا آپ نے فرمایا تھا) اے عبداللہؓ بن قیس! تم یمن کی طرف (حاکم بن کر) جاؤ۔ پھر آپ نے ان کے پیچھے حضرت معاذؓ بن جبل کو روانہ کیا۔ جب حضرت معاذؓ حضرت ابوموسیٰؓ کے پاس (یمن) پہنچے تو حضرت ابوموسیٰؓ نے حضرت معاذؓ کے لیے ایک گدا بچھا دیا اور کہا کہ اترو! اس وقت حضرت معاذؓ نے آپ کے پاس ایک آدمی کو بندھا ہوا دیکھا تو پوچھا: یہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت ابوموسیٰؓ نے بتایا: یہ شخص پہلے یہودی تھا پھر مسلمان ہو گیا تھا بعد ازاں دوبارہ یہودی ہو گیا، یہ بتا کر حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا: بیٹھ جائیے! حضرت معاذؓ کہنے لگے: میں اس وقت تک ہرگز نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ اللہ اور رسول اللہ کے فیصلے کے مطابق اس شخص کو قتل نہیں کر دیا جاتا، یہ بات آپ نے تین بار کہی۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰؓ نے حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا، پھر انھوں نے ایک دوسرے سے قیام اللیل کے بارے میں گفتگو شروع کی، ایک نے کہا کہ میں تورات کو قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ مجھے نیند کا بھی ویسا ہی ثواب ملیگا جیسا کہ قیام اللیل و رشب بیداری کا۔

اخرجه البخاری فی کتاب ۸۸ استتابة المرتدین باب ۲ حکم المرتد والمرتدة

دیکھنا چاہیئے۔

جہاں تک کسی معاشرہ یا قوم یا ملک یا سلطنت کا تعلق ہے۔ خلافت کے مفہوم میں دو پہلو زیرِ بحث آتے ہیں۔ اوّل قانونی جس کا مطلب یہ ہے کہ جس ملک یا حکومت کا دستور اور آئین وہی ہو جو اللہ نے اپنی کتاب کی صورت میں نازل فرمایا اور اللہ کے آخری رسولؐ نے اس کی حقیقی تشریح کے ساتھ عملی تعبیر کر کے عملاً نافذ کر دیا۔ اس طرزِ حکومت کو خلافت کہیں گے اس کا دوسرا پہلو عملی ہے۔ یعنی اس الہامی دستور اور قانون کو اسی روح اور اسی جذبے کے ساتھ عملاً نافذ کرنا اور یوں کہ اسکے ساتھ کوئی بجپر نہ لگنے پائے۔ جس طرح نبی کریمؐ نے نافذ فرمایا تھا۔ اس کو خلافت راشدہ کہتے ہیں۔ لغت میں رُشد کے معنی ہیں سچے راستے پر مضبوطی سے قائم رہنا۔

چنانچہ جس کو ہم خلافتِ راشدہ کہتے ہیں اس کا دوسرا نام خلافت علی منہاج النبوۃ بھی ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ خلفائے راشدین وہ مقدس ہستیاں ہیں جنہوں نے خلافت یا نیابت ٹھیک اس رنگ میں کی جو اللہ کے آخری نبیؐ نے سکھایا تھا۔ تو گویا خلافتِ راشدہ وہ ہے جس میں آئینی، دستوری اور عملی ہر دو اعتبار سے حق نیابت ادا کی جائے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد کیا حکومت میں کوئی تبدیلی ہوئی؟ اگر ہوئی تو کس شعبے میں اور کس رنگ میں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ہم نے خلافت کو چار خلفاء تک محدود کر دیا تو عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی تبدیلی ضرور ہوئی۔ مگر وہ تبدیلی کیا تھی؟ کیا آئین بدل گیا؟ کیا ریاست کا دستور بدل گیا؟ کیا اللہ کے قانون پر کسی غیر الہامی قانون کی برتری دستور میں تسلیم کی گئی؟ اس کا جواب جب تاریخ سے طلب کیا جائے تو بلا خوف تردید یہ کہنا پڑتا ہے کہ ایسی تبدیلی کا اموی، عباسی دور تو کیا عہد عثمانی میں بھی کوئی سراغ اور کوئی نشان نہیں ملتا۔ لہذا یہ کہنا کہ "خلافتِ راشدہ کے بعد اسلامی خلافت ختم ہوئی" ایک تاریخی غلط بیانی کے سوا اور کیا ہے۔ یہ تسلیم کر لینے کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ پھر وہ کونسی تبدیلی آئی کہ بعد کی خلافت کو خلافتِ راشدہ کہنے کے لیے امت کبھی تیار نہیں ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ

اس آئین، دستور اور قانون کو عملاً نافذ کرنے کا جذبہ سرد پڑتا گیا۔ پہلے عملاً کفر کے ساتھ مداہنت کا برتاؤ شروع ہوا پھر کفر کے ساتھ عملاً "کچھ لو اور کچھ دو" کا اصول کارفرما ہونے لگا۔ پھر کفر کا رنگ سوچ میں، امزاج میں، طبیعت میں، عمل میں غالب ہونے لگا۔ حتیٰ کہ جب کفر "اتاترک" بن کے سامنے آیا تو خلافت کا لفظ بھی گالی شمار ہونے لگا اور قوم نے اس تہمت سے بھی جان چھڑالی۔

یہ زوال، یہ انحطاط ایک فطری عمل ہے جوانی میں جو جوش، ولولہ اور جذبہ موجود ہوتا ہے، بڑھاپے میں حالت بدل جاتی ہے۔ قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں۔ مدافعت کی قوت کمزور ہو جاتی ہے۔ اور ہوا کا ایک تیز جھونکا بھی بابا جی کو چت گرا دیتا ہے۔

جہاں تک قوموں کے عروج و زوال کے فلسفہ کا تعلق ہے وہاں بھی یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ "قوم کی زندگی کا وہ دور جوانی کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک معیاری اور مثالی دور ہوتا ہے۔ اب تیمور کو دیکھیں اور بہادر شاہ ظفر کو دیکھیں۔ یہ فلسفہ سمجھنے میں دقت نہیں ہو گی۔

دستور اور آئین بے جان الفاظ کا مجموعہ ہوتا ہے اس میں عملی اور حقیقی روح وہ افراد ڈالتے ہیں جن کو اس آئین کے الفاظ پہ ایمان کامل اور یقین محکم ہوتا ہے۔ جوں جوں ایسے افراد کم ہوتے جاتے ہیں، دستور اور آئین کی بہار، خزاں میں بدلتی چلی جاتی ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ملک کا قانون موجود ہے کہ بسوں میں ریکارڈنگ ممنوع ہے تو کیا کراچی سے طورخم تک اور آئی جی سے پولیس سپاہی سب اندھے اور بہرے ہیں؟ اگر نہیں تو ریکارڈنگ ختم کیوں نہیں ہوتی۔ اس لیے قانون کا احترام کرنے والے افراد عوام اور خواص میں ناپید ہیں۔ لہذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ خلافت راشدہ کے بعد اسلامی خلافت ختم ہوئی۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ

یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تو
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

کچھ علاج اس کا

قادیہ

مطالعہ کا ہمیں شوق ہی نہیں جنون ہے۔ بری بھلی جو کتاب ہاتھ آئی پڑھ ڈالی اور پھر حلقۂ یاراں میں اس پہ خاصہ عالمانہ تبصرہ کرتے ہوئے اپنی علمیت کا رعب جھاڑ کر خوش ہو لیے۔ "یادوں کی بارات" بھی ہم نے اپنی ادب نوازی کا سکہ جمانے کے لیے پڑھی مگر پھر اپنی شرافت کا بھرم رکھنے کے لیے اس کا نام نہ لے سکے۔ اور شاید اس جرم کو تاحیات چھپائے رکھتے اگر "المرشد" کے جنوری کے شمارے کے ضبط کیے جانے کی خبر نہ سُن پاتے۔

یہ درست ہے کہ قانوناً ہمارے ملک میں یہ پابندی ہے کہ ایک فرقہ دوسرے فرقے کے خلاف نہ لکھے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے عالم اسلام کے کسی ملک کا قانون پیغمبر پاکؐ پہ بہتان طرازی کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ "یہ رسم آشنا نہیں، ہے ہوتی"۔ "المرشد" کے قارئین کی دلچسپی کے لیے اس کتاب کی چند جھلکیاں پیش خدمت ہیں۔

ملک کا یہ مایۂ ناز شاعر جسے اعلیٰ حضرت جوش ملیح آبادی لکھا جاتا ہے اپنی اس کتاب "یادوں کی بارات" میں اپنے ناپاک خیالات کا اظہار نہایت ڈھٹائی سے یوں کرتا ہے۔

"لکھنؤ آکر میرا چچا محبوب عطا حسین قزلباش بھی مجھ کو دوبارہ مل گیا۔ عطا حسین کی صحبت میں میری دادی نے جو شیعیت کے نقوش میرے دل پہ بنائے تھے وہ اور بھی ابھر گئے اور جب کہ اوپر بیان کر چکا ہوں ناصر حسین صاحب قبلہ کی صحبت نے بھی میری شیعت میں پختگی پیدا کر دی اب میں برابر مجلس میں جانے اور ماتم کرنے لگا اور میرے خاندان کی اصطلاح میں میری "رافضیت" مستحکم ہو گئی۔ پھر بھی میرے باپ نے مجھ سے ناخوشی کا اظہار فرمایا۔ لیکن جب میرے باپ کے کان تک یہ خبر پہنچی میں مقبرۂ جناب عالیہ (یہ مقبرہ گولا گنج میں ہے جہاں تبرّو بازی کا ایک سالانہ جشن کیا جاتا ہے) کے جشن تبرہ میں بھی شریک ہوا تھا تو یہ بات ان کو ناگوار گزری اور انہوں نے میرے چھوٹے نانا بھائی امیر حسین خاں کی معرفت یہ پیغام بھیجا کہ میں تبرا ترک کر دوں۔

انہوں نے کہا جہاں تک حبّ آل رسولؐ کا تعلق ہے میں اس کو جزو ایمان ہی نہیں اصل ایمان سمجھتا اور رسول اللہؐ کے بعد حضرت علیؑ کو سب سے افضل مانتا ہوں لیکن اس کے باوجود اصحاب ثلاثہ پہ سبّ و شتم کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ اس فعل بد سے فقط خلفاء ہی کی توہین نہیں ہوتی بلکہ رسالت مآبؐ کے فیضان صحبت پہ بھی آنچ آتی ہے اور جب میں تبرّے سے دستبردار ہونے پہ آمادہ نہیں ہوا تو میرے باپ نے وصیت نامے کی رُو سے مجھ کو جائیداد سے محروم فرما کر فقط ۱۰۰ روپے ماہانہ کا گزارہ دار بنا دیا۔"

(یادوں کی بارات، صفحہ ۱۳۵)

ایک طرف تو یہ شخص تبرہ بازی کو جزو ایمان سمجھتے ہوئے اس کی خاطر اپنی جائیداد سے دست بردار ہونے کے دعوے کرتا ہے اور دوسری طرف نادانستگی میں ایک بہت بڑی حقیقت کا انکشاف کر گیا ہے۔ صفحہ ۹۷ کے حاشیے میں لکھتا ہے۔

"حکومت نے ایک طرف تو دہلی کے ایک شیعہ مولوی مقبول احمد کو تبرا بازی اور دوسری طرف لکھنؤ کے ایک سنی مولوی عبدالشکور کو جھنڈا بازی پہ مامور کر دیا تھا وہ شیعوں کو تبرے پہ اکساتے۔ یہ سنیوں کو جھنڈے بازی پہ ابھارتے اور اس غداری کے صلے میں گھر بیٹھے وظیفے کھاتے تھے۔ فرنگی فقط ہندوؤں اور مسلمانوں ہی کو نہیں لڑاتا بلکہ ہندوؤں کو ہندوؤں سے اور مسلمانوں کو مسلمانوں سے بھی ٹکراتا تھا۔ اُدھر آریہ سماجیوں اور سناتن دھرمیوں اور ادھر سنیوں اور شیعوں کو ایک دوسرے کی خون ریزی پہ للکارا کرتا تھا۔ ارے فرنگی کا رونا کیوں روئیں۔ اپنے ہی دام کھوٹے تو پرکھنے والے کو کیا روش؟ یہ مان لیا کہ وہ لڑواتا تھا لیکن سوال یہ ہے کہ ہم لڑتے کیوں تھے؟

عبث یہ ذکر ہے کیڑے پڑے کیوں
میں تم سے پوچھتا ہوں تم سڑے کیوں

یہاں پر تو اس شخص نے اپنے کھوٹے ہونے کا اقرار خود ہی کر لیا اور دوسری طرف اپنے ایمان کا سودہ کرتے ہوئے اس ہستی پر بہتان طرازی کی ہے جس کے مخالفین اور جانی دشمن بھی اس کے سچا ہونے کا اقرار کرنے پر مجبور تھے۔

صفحہ ۱۴۶ پہ اپنے اس بدترین گناہ کا بوجھ کائنات کی معصوم ترین

مستی پہ ڈالتے ہوئے یوں رقمطراز ہے۔

"اس محروم الارث ہو جانے کے کوئی چھ سات مہینے کے بعد ایک روز دوپہر کے وقت جبکہ شدید گرمی پڑ رہی تھی اور میں کٹڑہ ابوتراب خاں (لکھنؤ) کے مکان کے ایک ٹھنڈے کمرے میں لیٹا ہوا تھا۔ میں نے اللہ سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ میں نے کہا، سنتا ہوں کہ اے اللہ میاں جب کوئی تمہاری طرف ایک قدم اٹھاتا ہے، تو تم اس کی جانب سو قدم بڑھ آتے ہو۔ لیکن میرے ساتھ تمہارا معاملہ اس کے برعکس ہے میں تمہاری طرف بڑھتا ہوں اور تم ہو کہ ٹس سے مس ہی نہیں ہوتے ہو، تمہیں خوش کرنے کیلئے میں نے اپنے باپ کو ناخوش کر لیا۔ جائیداد سے محروم ہو گیا اور تم مجھ سے یہ بتاتے ہی نہیں ہو کہ میں راہ راست پہ ہوں کہ گمراہ ہو گیا ہوں۔ اے اللہ میاں کچھ تو منہ سے بولو سر سے کھیلو۔ دل ہی دل میں یہ باتیں کرتا سو گیا۔ سوتے ہی خواب دیکھا کہ صبح کی گلابی روشنی پھیلی ہوئی ہے آسمان سے سونا برس رہا ہے۔ اور میں کسی سواری پر بیٹھا ایسی راہ سے گزر رہا ہوں جس کے دونوں طرف بڑے گھنے اور شاداب درخت نسیم سحر سے جھوم رہے ہیں۔ اور ہزاروں چڑیاں ان کی شاخوں پر بیٹھی چہچہا رہی ہیں کہ مشرق کی طرف سے ایک جلوس بڑے تزک و احتشام کے ساتھ نمودار ہوا۔ میری نظریں اس جلوس پہ جم کر رہ گئیں اور جب وہ قریب آ گیا تو رئیس جلوس کے چہرے کی تابناکی دیکھ کر میرے دل پر اس قدر اثر پڑا کہ میں اپنی سواری سے کود پڑا اور جھک کر سلام کیا۔ رئیس جلوس نے میری طرف آنکھیں اٹھائیں۔ ان کی آنکھوں سے کرنیں قطار در قطار نکلیں جو میرے دل میں پیوست ہو گئیں۔ اور وہ مسکرا کر میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے ایک سمت مڑ گئے۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ یہ کیسی غیر معمولی مقناطیسی شخصیت تھی کہ بے جانے بوجھے مجھ کو اس نے اس قدر متاثر کر دیا کہ اتنے میں ایک دوسرا جلوس نمودار ہوا اور اس عجیب صاحب جلوس کا بھی مجھ پر ویسا ہی اثر پڑا اور وہ بھی میرے سلام کا مسکرا کر جواب دیتا ہوا اسی طرف روانہ ہو گیا۔ جس طرف پہلا جلوس مڑ گیا تھا۔ جب یہ دونوں جلوس نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو میں یہ بات سوچنے لگا کہ میں ان سے متعارف کیسے ہو سکتا ہوں اور کیوں نہ ادھر مڑ جاؤں جدھر یہ دونوں جلوس مڑ گئے ہیں کہ دفعتاً میری پشت پر کسی نے ہاتھ مارا۔ میں اچھل گیا اور مڑ کر دیکھا کہ ایک نورانی چہرے کے بزرگ میری طرف دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا "ابوذر غفاری"، میں نے سلام کر کے ان کے ہاتھ چوم لیے اور ان کے روبرو سر جھکا لیا۔ انہوں نے کہا سر اٹھاؤ یہ سر جھکنے کے لیے نہیں بنا ہے۔ میں تم کو مبارکباد دیتا ہوں کہ تم کو سرور کونین محمد رسول اللہ اور ان کے جانشین مشکل کشا علیؑ ابن ابی طالب کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یہ سن کر میرے دل میں فخر کے فوارے چھوٹنے لگے اور آنکھوں سے مسرت کے آنسو برسنے لگے۔ اور میں نے پوچھا۔ میں اپنے رسولؐ اور امامؑ

ضرورت شیخ

ضرورت شیخ کے سلسلے میں ایک سوال بعض ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ جب کتب تصوف میں ہر قسم کے اذکار و وظائف اور ان کے پڑھنے کے طریقے درج ہیں تو ان پر عمل کر کے انسان کامل بن سکتا ہے۔ پھر شیخ کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ طب کی کتابوں میں ہر قسم کے نسخہ جات، طریق علاج، وزن ادویہ اور طریق استعمال موجود ہے۔ پھر کسی ماہر طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا کسی معقول آدمی کے ذہن میں یہ سوال بھی ابھرتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں۔ آخر اس کی وجہ؟ وجہ صرف یہی ہے کہ جان عزیز ہے اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ طب کی کتابوں اور اپنے علم پر بھروسہ نہ کیا جائے بلکہ اچھی طرح چھان بین کر کے کسی ماہر طبیب کو تلاش کیا جائے اور اسی سے علاج کرایا جائے۔

اسی طرح اگر ایمان عزیز ہو اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا مقصود ہو تو معقولیت کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی معالج روحانی کو تلاش کرے۔ کیونکہ روحانی طبیب کے بغیر روحانی صحت اور تزکیۂ باطن اور تعلق مع اللہ پیدا ہونا محال ہے۔ دلائل السلوک

(حضرت مولانا اللہ یار خانؒ)

کو ڈھونڈنے کدھر جاؤں؟ انہوں نے درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف انگلی اٹھا کر کہا دیکھو وہ جو مسجد کا مینارہ نظر آرہا ہے اسی طرف چلے جاؤ رسول اللہ کا جواب تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ یہ کہہ کر وہ غائب ہو گئے۔ اور میں دھڑکتے دل کے ساتھ ادھر روانہ ہو گیا اور جب مسجد کے دروازے کی پہلی سیڑھی پر میں نے قدم رکھا تو یہ دیکھا کہ رسول اللہ چبوترے کے کنارے آستین چڑھائے بیٹھے اور علی المرتضیٰ رضی پانی کا ظرف ان کے پاس رکھ رہے ہیں۔ میری آہٹ سن کر رسول اللہ نے حضرت علیؓ سے کچھ ارشاد فرمایا جسے میں سن نہیں سکا۔ رسالت مآبؐ کا ارشاد سن کر وہ میری طرف اس طرح چلے جیسے کوئی مژدہ سنانے والا چلتا ہے۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے وہ میرے پاس تشریف لائے اور میرے سر پر ہاتھ پھیر کر ارشاد فرمایا جو ہم سے محبت کرتا ہے نہ تو اس کی دنیا ہی خراب ہوتی ہے اور نہ ہی عاقبت جاؤ بلندیاں تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔

یہ خواب دیکھ کر میری آنکھ کھل گئی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے پھوٹ نکلے اور دل بلیوں اچھلنے لگا کہ ابوالحافظ نے آکر کہا، منجھلے بھیا میاں بلا رہے ہیں۔ میں دھڑکتے دل کو سنبھال کر اٹھا، جلدی جلدی منہ دھویا اور اپنے باپ کے روبرو جا کر کھڑا ہو گیا۔ میرے باپ کچھ لکھنے میں مشغول تھے۔ قلم روک کر انہوں نے میری طرف نگاہ اٹھائی۔ ان کی بڑی بڑی غلافی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ مجھ سے ارشاد فرمایا۔ بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا اور وہ پھر لکھنے لگے۔ میں حیران ہو گیا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ ان کا قلم بڑی تیزی سے انتہائی روانی کے ساتھ دس پندرہ منٹ چلتا رہا اور جب عبارت مکمل ہو گئی تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ بیٹا یہ جائیداد ایسی کمبخت چیز ہے کہ اسے حاصل کرنے کے لیے بھائی بھائی کا گلا کاٹ کر رکھ دیتا ہے میں نے تجھ کو جائیداد سے محروم کر دیا اور میں نے دیکھا کہ تیرے ماتھے پر شکن تک نہیں آئی اور تیری اطاعت شعاری میں یکسر مو فرق نہیں آیا۔ لے یہ دوسرا وصیت نامہ ہے جس کی رو سے میری جائیداد میں تجھ کو تیرا پورا حق مل جائے گا۔"

اس خواب کی سچائی کو تسلیم کرنا عقل سلیم کے لیے بجائے خود ایک بار ہے۔ اور پھر اس شخص نے صفحہ ۲۰ کی آخری سطر سے اپنی دروغ گوئی کا اقرار کرتے ہوئے اپنے اس عظیم جھوٹ پر یقین کی مہر لگا دی ہے۔

"میں سمجھتا ہوں کہ ہر دانا انسان کو میرے اس خیال سے اتفاق ہو گا کہ ہر خلاف واقعہ بیان کو جھوٹ کے زمرے میں شمار نہیں کیا جا سکتا اور کلمات حکمت آمیز کو حرف دروغ کا خطاب دینا انسانیت پر بڑا ظلم ڈھانا ہے۔ میرے نزدیک جھوٹ فقط اسے کہا جائے گا جو سامعین کو دھوکہ دے کر کسی شخصیت یا جماعت کو بیجا نقصان یا اپنے ناروا فائدہ پہنچانے یا زیست کا مزا اڑانے کے واسطے بولا جاتا ہے۔ لیکن اگر ایسے خلاف واقعہ بیانات پر ہم دروغ گفتاری کا لیبل چسپاں کر دیں گے جو بڑی احتیاط آمیز نیک نیتی اور انتہائی جذبہ حب انسانی کے ساتھ اس غرض سے زبان پر لائے جاتے ہیں کہ

(۱) نادان اور ضدی بیماروں کو موت کے چنگل سے بچا لیں۔
(۲) فتنوں کا سد باب کر دیں۔
(۳) گمراہ فرد یا معاشرے کو صراط مستقیم پر لے آئیں۔
(۴) کسی معصوم کے دل کو ٹوٹنے سے بچا لیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم تمام محسنان انسانیت اور تمام مصلحین عالم کے تمام عظیم کارناموں پر پانی پھیر دیں گے اور یہ ایک ایسی خطا ہو گی جس کو خیر کی تاریخ اور مصلحین و مبلغین کی روح — کبھی معاف نہیں کر سکے گی۔

سو اگر میری جھوٹ کی یہ تعریف تسلیم کر لی جائے تو میں دعوے کیا تھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے زندگی بھر کبھی ایک بار بھی دروغ بافی کا ارتکاب نہیں کیا ہے۔ اور اگر غیر مفکر عوام میں جس کو جھوٹ کہا جاتا ہے اس کو مان لیا جائے تو مجھے اعتراف ہے کہ اپنے اٹھارہ معاشقوں کے دوران تلاطم میں اپنی بیوی کے دل کو ٹوٹ جانے سے بچا لینے کی خاطر میں نے اپنے سر پر قرآن رکھ کر ایک بار نہیں اٹھارہ مرتبہ جھوٹ بولا اور بڑے دھڑلے کے ساتھ بولا ہے۔"

جھوٹ کی افادیت بیان کرتے ہوئے مصنف نے اس کا تیسرا فائدہ یہ بیان کیا ہے۔

"گمراہ مرد یا معاشرے کو صراط مستقیم پر لے آئیں۔"

اپنے غلط عقیدے کے پرچار کے لیے لمبا چوڑا خواب تحریر فرمانے کے بعد اس شخص کا یہ جملہ اس کے خواب کے جھوٹا ہونے کی بین دلیل ہے۔

اپنی اس کتاب میں مصنف نے ایک سے زائد خواب لکھ کر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ رسول اللہ کی شفقت و محبت کا مرکز رہا ہے۔ لیکن خود اس کی تحریر کی روشنی میں اس کا کردار ملاحظہ فرمائیے۔ تو معلوم ہو گا کہ ان خوابوں کی حقیقت بھی اس کے دروغ مصلحت آمیز سے زیادہ نہ تھی۔

ایک دور مصنف پر ایسا بھی آیا جب وہ بڑا زاہد اور متقی تھا۔ خیال رہے کہ یہ خواب اس نے اس دور سے پہلے اور بعد میں دیکھے لیکن اب وہ اپنے اس دور کے متعلق کیا کہتا ہے خود اسی کی زبانی سنیئے۔

"۱۹۲۰ء میں قصرِ سحر آتے ہی خدا کا کرنا یہ ہوا کہ میرے سے مادرزاد معصیت کار پہ دورہ پڑ گیا اور اس چیز کا جس کو نامات تقویٰ اور داڑھی ولی کے نام سے پکارتے ہیں ...." اور یہ پرہیزگاری کی یہ یہاں تک بڑھ گئی کہ قیمتی لباس ترک کر کے موٹے جھوٹے کپڑے پہننے لگا۔ گوشت کھانا اور چارپائی پہ سونا ترک کر دیا اور مجھ پر اس حد تک خدا کا قہر نازل ہوا کہ میں نے داڑھی کی سی چیز رکھ لی۔"

(صفحہ ۱۶۶)

زہد و تقویٰ چونکہ ان صاحب کی فطرت سے میل نہیں کھاتا تھا۔ اس لیے یہ اس پر زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکے۔ مگر اس سیدھی راہ سے ہٹنے کے لیے انہوں نے جو جواز تلاش کیے وہ کسی بھی کم فہم اور کم علم آدمی کو گمراہ کر سکتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے حضرت شیطان کی طرح اپنے ساتھ اور بہت سوں کو بھی دوزخ میں لے جانا چاہتے ہیں۔

مصنف خدا کی ذات پر شک ہی نہیں طنز کرتا ہے اور اسکی بے حسی، خلق سے لاپرواہی، بلکہ ایک حد تک، ظالمانہ رویے کو اپنی روگردانی کا سبب قرار دیتے ہوئے صفحہ ۱۷۳ پہ لوگوں کی مصیبتوں اور غموں کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

"اور یہ سارے تماشے ہو رہے ہیں اس خدائے بزرگ و برتر کی آنکھوں کے سامنے جو عادل ہے، حکیم ہے رحیم ہے، رؤف ہے رب ہے اور رزاق ہے۔ اور جو بندوں سے ستر ماؤں سے بڑھ کر محبت کرتا ہے۔ اور اس کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوتا اور ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کے فشار میں گرفتار ہے اور ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد زندگی میں وہ پہلا دن تھا کہ خدا کے عادل و حکیم اور رب و رزاق ہونے پر میرے دل میں شدید بدگمانی پیدا گئی اور جھوٹ کیوں بولوں مجھ کو خدا پہ اس قدر غصہ آگیا کہ میں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی کہ اگر آس پاس کوئی مسجد ہو تو اسے آگ لگا دوں۔"

شراب جسے اسلام ام الخبائث قرار دیتا ہے یہ حضرت اُسے جوہرِ تابیدہ اور دیوتاؤں کا مشروب کے نام سے پکارتے ہیں۔

"شراب کا ساجوہرِ ناب عوام کے لیے زہر اور خواص، اور وہ بھی دیوتا قسم کے خواص کے واسطے آبِ حیات ہے (صفحہ ۱۷، سطر ۹)۔

قحبہ گری اور عصمت فروشی کی حمایت صفحہ ۹۰ سے اس طرح شروع کرتا ہے۔

"کوتاہ اندیش مصلحانِ اخلاق کے اجاڑے ہوئے چوک نے آنکھوں میں آنسو بھر کر مجھے سلام کیا۔ ہائے وہ چوک جو شبستانِ رنگ و بُو تھا اب بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔ جن کمروں میں پریاں رہتی ہیں کالے دیووں کو وہاں آباد کر دیا گیا ہے جو فضا سارے گاما کے جھولوں میں جھولا کرتی تھی اب اس پہ اے بائی والے بھائی، بھلندر سنگھ اور اے حاجی احافظا، کھدائی بخش (خدا بخش) کے نعروں کو سوار کر دیا ہے ہائے، جن چھجوں پہ زلفیں لہرایا کرتی تھیں وہاں داڑھے جھٹکارے جا رہے ہیں.................. اس کج اندیش دور میں ہر طرف ایک شور برپا ہے کہ نکال دو شہر سے طوائفوں کو، مسمار کر ڈالو مے خانوں کو اور اجاڑ کر رکھ دو شبستانوں کو اور یہ فتنہ اٹھایا ہوا ہے مہاتما گاندھی کا، بے شک گاندھی جی میں بیشمار خوبیاں تھیں۔ وہ ہندوستان کے عظیم محسن اور دوست تھے لیکن اس کے ساتھ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ انسانی شادمانی کے بدترین دشمن تھے۔ انہوں نے جب بازارِ حسن و خراباتِ مغاں کے خلاف غیر عاقلانہ آواز اٹھائی اور انسانی مسرت کا گلا گھونٹ دینے کی مجرمانہ تحریک چلائی تو لنگر لنگوٹ پہن پہن کر کود پڑے۔ ان کی آواز پر وہ تمام گزیدگان اخلاق، منخشین کرام جو تشنئ توفیقِ گناہ سے یکسر محروم تھے۔ اور جن کے دلوں میں اس بات کی لگن لگی ہوئی تھی کہ وہ صالحین اکا روپ بھر بھر کر گاندھی جی کو رجھائیں۔ جاہل عوام کے ووٹ اڑائیں۔ اقتدار کی گدیوں پہ براجمان ہو جائیں اور دولت کے دریا میں غوطے لگائیں۔ نیک نفس مہاتما اور ان کے ہوس پرور چیلوں کی سمجھ میں یہ بات مطلق نہیں آئی کہ مسرت کی تمنا اور حسن کی آرزو نوعِ انسانی کی جبلت میں داخل ہے اور فطرت نے تولید و تناسل کا سلسلہ قائم رکھنے کے واسطے انسان کی جوانی کو مست و سرشار رہنے اور بوس و کنار کی موجوں میں بہنے پر اس استحکام کے ساتھ مامور و مجبور کر دیا ہے کہ اگر تمام قوانین کا ئنات خم ٹھونک کر اس کے سامنے آجائیں تو وہ لنگڑی مار کر انہیں چاروں شانے چت گراتا ہوا آگے بڑھ جائے۔ نوعِ انسانی کے اس جبلی میلان مسکرات و مستولات کے ہوتے ہوئے طوفانی دریا پہ بند باندھنے کے ارادے سے اس دنیا میں کتنے اولیاء، ادھیا، اقطاب، ابدال، امام، اوتار اور انبیاء کتنے معلم، مجدد، مفسر، مجتہد، محقق، مبلغ، محتسب، مصلح اور مُلا اور کتنے پادری، پاپا، پوپ، پروہت، پنڈت، پانڈے، پونگی، پیر

اور پیامبر ازل سے لے کر آج تک آ چکے ہیں لیکن تاریخ انسانی شہادت دے رہی ہے کہ جس نے بھی انسان کے اس بے پایاں تندو شدید ولولے سے ٹکر لی ہے خود اس کا ماتھا لہو لہان ہو گیا ہے اور آسمان کے ڈاٹ کے نیچے یہ آواز بڑے طنطنے کے ساتھ آج بھی گونج رہی ہے کہ

ہاں سلسلۂ جام و سبوز جاری ہے

اب تک وہی شغل نا و نوش جاری ہے

کھائی ہے کچھ انسان سے ٹکر ایسی

ادیان کے ماتھے سے لہو جاری ہے

میں طوالت کے خوف سے اسی پہ اکتفا کرتا ہوں موصوف ان صاحب کی ہرزہ سرائی صفحہ ۹۰ سے ۹۵ تک جاری ہے۔

گناہگار ہونا اور بات ہے مگر ڈھٹائی پہ جمے رہنا اور الٹا شرعی حدود کو چیلنج کرنا اور بات۔ ان صاحب نے نہ صرف بڑے دھڑلے سے اپنے گناہگار ہونے کا اقرار کیا ہے بلکہ بعض گناہوں کو سرے سے گناہ ماننے سے انکار کر دیا ہے اور گناہ بھی ایسے جو معاشرتی و اخلاقی بنیادوں کو ہلا ڈالیں۔ زنا جیسے فعل قبیح کو اسلام کی رُو سے جائز ثابت کرتے ہوئے صفحہ ۹۲ پہ لکھتا ہے۔

"ہر چند اسلام نے زانی کے واسطے سنگساری کی انتہائی سزا مقرر کر دی ہے لیکن اس ناقابل برداشت جنسی ہیجان کے ساتھ بڑی یکسانہ رعایت اور بڑی شریفانہ مروت سے بھی کام لیا ہے۔ یعنی دیگر جرائم کا انحصار صرف دو گواہوں پر کیا گیا ہے لیکن اس معاملے میں چار گواہوں کی شرط لگا دی ہے۔ پچاس فیصد رعایت تو پہلے ہی قدم پر کر دی گئی ہے اور مجرم کو اشتباہ کا فائدہ پہنچانے کی خاطر اس پچاس فیصد رعایت کے حدود کو وسیع کر کے یہ شرط بھی عائد کر دی کہ اگر گواہ یہ کہیں کہ انہوں نے مرد کو اوپر اور عورت کو نیچے دیکھا تھا تو اس شہادت سے زنا ثابت نہیں ہو سکے گا اور اس سے بھی آگے اگر وہ یہ شہادت بھی دیں گے کہ ہم نے مرد کی کمر کے متواتر حرکات کو بھی دیکھا تھا پھر بھی زنا ثابت نہ ہو گا۔ البتہ اگر وہ یہ شہادت دیں گے کہ ہم نے یہ دیکھا تھا کہ مرد و زن کے مابین سلائی اور سرے دانی کا سا معاملہ ہو رہا تھا۔ تب جا کر زنا ثابت ہو گا۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کریں گے ایک ایسے مزاج کا زانی جو ایک کو نہیں چار چار آدمیوں کو اپنی طرف آتا دیکھے اور اس کے باوجود وہ عورت سے فوراً جدا ہو جانے کے بدلے اس سے چمٹا رہے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے جسمانی حرکات کی وساطت سے اس کا بھی موقع دے کہ چاروں گواہ فریقین کی برہنگی کا تفصیلی مطالعہ کر کے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لیں کہ ایک کی سلائی دوسرے کی سرے دانی میں آ جا رہی ہے کیا دانستہ منہ کیا جائے گا؟ اور کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ سنگساری کی سزا زنا کی نہیں حماقت کی سزا ہے۔"

قارئین کرام! خود ہی فیصلہ کیجئے کیا ان مندرجہ بالا سطور کو پڑھ کر کچے ذہنوں سے گناہ کا خوف نکل نہیں جائے گا؟ کیا یہ سب باتیں گناہ کی طرف رغبت دلانے والی نہیں ہیں؟

میرا ان باتوں کو لکھنے کا ایک ہی مقصد تھا کہ اس شخص کے کردار پر تفصیل سے روشنی ڈالی جا سکے جو اپنے آپ کو رسول اللہ کی شفقت و محبت کا مرکز کہتا ہے۔

کیا ایسا غلیظ اور ایسے مکروہ خیالات رکھنے والا شخص اس قابل ہے کہ اسے پیغمبر پاکؐ کے کسی ادنیٰ غلام کی جوتی کی جھلک بھی دکھائی دے؟ اس غلیظ بڈھے کو جب صحابہ رسولؐ کے کردار پر دشنام طرازی کرنے کے لیے کوئی دلیل نہیں ملی تو اس نے اپنے غلط عقیدے کا پرچار کرنے کے لیے پیغمبر پاکؐ سی عظیم ترین ہستی پہ بہتان طرازی کرتے ہوئے دروغ گوئی کر کے نہ صرف اپنی عاقبت کا سودا کر لیا بلکہ کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو زبردست ٹھیس پہنچائی ہے۔ حیرت تو اس بات کی ہے کہ صحابہ کرام کی جلیل القدر ہستیوں کی شان میں اس نے کھلم کھلا تبرا بازی کرتے ہوئے اپنی سیاہ قلبی کا بانگ دہل اعلان کیا اور ڈنکے کی چوٹ پہ اس کتاب کو چھپوا کر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ہر کتب خانے تک پہنچایا۔ رسول خداؐ کی ذات مقدسہ پہ اتنی بڑی تہمت دھرتے ہوئے ادیبوں کی صف میں دندناتا رہا اور کسی کے کان پہ جوں تک نہ رینگی۔ اس نے ادب کے چبوترے پہ کھڑے ہو کر شریعت کی شکل مسخ کرتے ہوئے اسلامی اصولوں کا مذاق اڑایا اور سب کچھ سننے کے باوجود کسی نے اسے نیچے اتارنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ سات سو اناسی (۷۷۹) صفحات پر مشتمل کتاب آج بھی بڑی حقارت سے گدایان رسولؐ شیدایان اصحاب رسول کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہر کتب فروش کی دکان کے شوکیس میں سچے مذہب کے علمبرداروں اور معاشرتی امن قائم کرنے والے دعویداروں کا مذاق اڑا رہی ہے۔

'کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں'

آپ نے پوچھا

محترم جناب حافظ عبدالرزاق صاحب !

السلام علیکم !

میں اللہ تعالیٰ کا انتہائی شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اس قابل بنایا کہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر پچھتاؤں اور کسی بزرگ سے فیض حاصل کروں۔

میں تہہ دل سے آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرے خطوط کا تسلی بخش جواب دیدیا۔ آپ نے مجھے دو آدمیوں کی نشاندہی کی تھی۔ لیکن میں آپ سے نہایت ادب کے ساتھ یہ گزارش کرتا ہوں کہ میں اب آپ کو اپنا استاد سمجھتا ہوں۔ اس لیے آپ بھی مجھے اپنا شاگرد سمجھیں۔

میں اپنے طور پہ برائی سے بچنے اور نیک بننے کی کوشش میں ہوں لیکن شائد میری یہ کوشش ناممکن ہے۔ اس لیے میری نگاہیں آپ پر جمی ہوتی ہیں۔ میں نیک اور خدا ترس انسان بننا چاہتا ہوں۔ میں اس روحانی منزل کو پہنچنا چاہتا ہوں جہاں نہ صرف میری دنیا و آخرت منور ہو بلکہ میری زندگی دوسروں کے لیے مشعل راہ ہو۔ اس کے لیے آپ مجھے جو بھی حکم کریں میں بجالاؤں گا۔ میں PRACTICALLY (عملی طور پر) دیکھنے کا آرزو مند ہوں۔ اب تک میری زندگی CONFUSION میں گزری کسی نے مجھے اندھیروں سے نکالنے میں مدد نہیں کی۔ اگر کوئی ایسا وقت آئے کہ آپ کے حضور خود حاضر ہونا ضروری ہو تو بھی میں پس و پیش نہیں کروں گا۔ صرف اتنا عرض کروں گا کہ ابتدا میں آپ مجھے ذرا آسان حکم دیں۔

ہو سکتا ہے آپ کا رسالہ "المرشد" بھی میری کچھ مدد کرے اس کا سالانہ چندہ بذریعہ منی آرڈر میں نے ارسال کیا ہے۔ آپ مہربانی کرکے ایک سال کے لیے اسے میرے نام جاری کریں۔

خط کے جواب کا شدت سے انتظار رہے گا۔

فقط :- آپکا شاگرد

سبحان الدین

عزیزی محترم سبحان صاحب : عاقبت بخیر باد

السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ پہنچا۔ الحمدللہ آپ کی پریشانی دور ہوئی۔ یہ محض اللہ کا کرم ہے۔ میں ایک ناکارہ اور ہیچ مدان استاد کیا بن سکتا ہوں۔ البتہ ہمسفر کی حیثیت سے باہمی مشورہ اور تجزیہ کا سلسلہ جاری رہے تو اچھا ہے۔

قاعدہ یہ ہے کہ کوئی کام شروع کرنے سے پہلے قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کرتا ہے کہ میں یہ کام کیوں کروں یہ سوال شعوری اور غیر شعوری دونوں صورتوں میں ہو سکتا ہے اور تجزیہ یہ ہے کہ جب تک اس سوال کا جواب نہ مل جائے انسان کوئی کام نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ نے اس سوال کا جواب پالیا کہ "میں نیک اور خدا ترس انسان بننا چاہتا ہوں"! مگر یہ دو لفظ نیک اور خدا ترس قابل غور ہیں۔ نیک کسے کہتے ہیں اور نیکی کیا ہوتی ہے؟ اس کا جواب ہر شخص اپنی عقل کے مطابق دے سکتا ہے اور دیتا ہے۔ میری نگاہ میں نیکی ہر اس کام اور ہر اس بات اور ہر اس خیال کا نام ہے۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہو۔ اور جو شخص اپنی پسند کو حضور اکرم کی پسند کے تحت کر دے وہ نیک ہوتا ہے اور خدا ترس کا مفہوم بھی مختلف ذہنوں میں مختلف ہوتا ہے۔ میرے خیال کے مطابق اس لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی ہر کام اور ہر بات کرنے سے پہلے یہ سوچ لے کہ ایسا کرنے سے میرا خالق میرا محبوب ناراض نہ ہو جائے۔ یہی در محبت کی معراج ہے۔ یہی در مطلوب ہے۔ اور اسی کو خدا ترسی کہتے ہیں

اب رہی یہ بات کہ ایسا بننے کے لیے طریق کار کیا ہے۔ تو سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ اس سارے کاروبار کی بنیاد اور اس کی روح محبت ہے۔ اگر یہ موجود نہ ہو تو سب ضابطے کی کارروائی اور اداکاری ہے۔ اقبال نے سچ کہا ہے۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

اگر آپ کو محبت کرنے کا تجربہ ہوا ہے تو آپ محبوب کے ناراض ہو جانے کے ڈر سے بخوبی واقف ہوں گے۔

اور اس کی ایک صورت اور بھی ہے جو اس جیسی تو نہیں البتہ اس سے ملتی جلتی ہے۔ وہ یہ کہ آپ کا کسی ایسی بااختیار اور بااقتدار

ہستی سے تعلق ہو جائے جس کے اشارہ ابرو کے ساتھ آپ کا مستقبل وابستہ ہو تو اس کے ناراض ہو جانے کا خدشہ آپ کو کس قدر ہے اور اگر وہ ہستی آپ کو کہے کہ میرے گھر آؤ اور مجھ سے باتیں کرو تو بتائیے آپ کی ذہنی کیفیت کیا ہو گی۔ اور آپ کو ملاقات کا شوق اور تڑپ کس درجے کا ہو گا۔ کیا آپ کو اپنا دل یہ نہیں کہے گا کہ سر کے بل جاؤں۔

(۱) اب آپ تصور کریں کہ رب العالمین ہمارا محبوب بھی ہے اور ہم معتقد رہی ہے اور وہ دعوت دے کہ میرے گھر آؤ اور مجھ سے جی بھر کے باتیں کرو۔ یہاں [illegible] پابندی کا حکم بھی نہیں لکھا ہو گا۔ تو آپ کو کیا کرنا چاہیے۔ بس اسی جذبہ کے ساتھ آپ پانچ وقت باجماعت نماز کی پابندی کیا کریں۔

(۲) ایک کام [illegible] کا ہے۔ صبح و شام ۵ منٹ سے لیکر زیادہ سے زیادہ جتنا وقت سہولت سے مل سکے تنہا بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے یہ سوچا کریں کہ میرا سرمایہ یہ سانس کا آنا جانا ہے۔ اگر یہ بے مقصد ہے تو زندگی عبث ہے اور اگر بامقصد ہے تو مقصد کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اپنے محبوب کی یاد کسی وقت بھی دل سے اترنے نہ پائے۔ لہٰذا اس سانس کی نگرانی کرنی چاہیے۔ سو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سانس اندر جائے تو خیال کریں کہ قلب لفظ اللہ کہہ رہا ہے اور باہر نکلے تو خیال کریں کہ قلب لفظ ھُو کہہ رہا ہے۔ اسطرح قلب کو اللہ کی یاد سکھائیں۔

(۳) حرام سے پرہیز کریں۔

(۴) جھوٹ سے پرہیز کریں۔

(۵) ہر دعا میں میرے لیے اللہ سے دعا مانگا کریں کہ اللہ میرے گناہ معاف کرے اور میرا خاتمہ ایمان پر کرے۔

والسلام

ناچیز عبدالرزاق

۲۸ جولائی تا ۳ ستمبر

اجتماع

دارالعرفان منارہ کے تربیتی پروگرام کی ایک جھلک

نماز تہجد، ذکرِ خفی، نماز فجر، درس قرآن مجید، اشراق، بیان اصلاح احوال اور مجلس ذکر، نمازِ ظہر، تلاوتِ قرآنِ مجید، صحبتِ شیخ مکرم، نماز عصر، نماز مغرب، اوابین مجلسِ ذکر خفی، نماز عشاء، آرام

دارالعرفان منارہ

ضلع چکوال، پنڈی سرگودھا روڈ

براستہ چکوال

برلب سڑک چکوال اور خوشاب سے ۲۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس مرکز میں ہر سال ایک عظیم الشان اجتماع ہوتا ہے جہاں شیخ سلسلہ ۴۰ دن کے لیے تشریف لاتے ہیں اور اندرون ملک اور بیرون ملک سے احباب جمع ہو کر فیض یاب ہوتے ہیں